عصرِ حاضر میں
دین کا متوازن تصور

پروفیسر طارق بٹ

297
ط 2 ع
124858

عمار پبلیکیشنز

Marfat.com

عصر حاضر
میں
دین کا متوازن تصور

پروفیسر طارق بٹ

عمار پبلی کیشنز
شاہ دین مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔

Marfat.com

۲۹۷
ع ط ب
۱۲۴۸۵۸

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب : عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور

مصنف : پروفیسر طارق بٹ

طبع اول : جون ۲۰۱۴

مطبع : عمار پبلی کیشنز

قیمت : -/70 روپے

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	۴
باب اول: عصر حاضر میں دین کے غیر متوازن تصورات	۹
فصل اول: مسلک ہی دین ہے	۱۰
فصل دوم: اسلام کی سیاسی تعبیر	۱۷
فصل سوم: اسلام اور جہاد	۲۸
فصل چہارم: تبلیغ اصل دین ہے	۳۷
فصل پنجم: تصوف روحِ اسلام ہے	۴۴
فصل ششم: اسلام کی قدامت پسند تعبیر	۵۲
فصل ہفتم: جدید اسلام	۵۹
فصل ہشتم: روشن خیال اسلام	۶۹
باب دوم: عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور	۷۴
خلاصہ	۸۳

Marfat.com

پیشِ لفظ

عصر حاضر میں اسلام کا متوازن تصور کیا ہے؟ یہ ایک اہم موضوع ہے لیکن اس پر گفتگو سے پہلے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ پہلے اس موضوع کے تعارف کے طور پر دین وشریعت کا مفہوم واضح کرتے ہوئے ان کی تفہیم وتشریح میں عصری حوالے کی معنویت اور اہمیت واضح کردی جائے، گو اختصار کے ساتھ سہی۔

دین

سب مسلمان اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اسلام پہلے دن سے ہی انسانوں کا دین اور طرز حیات رہا ہے۔ اسلام کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اپنی آزاد مرضی سے اللہ کی ہدایت کو قبول کرے اور اس کے مطابق زندگی گزارے۔ اللہ کا دستور شروع ہی سے یہ رہا ہے کہ وہ انسانوں میں سے ہی کسی ایک کو اپنے پیغام بر کے طور پر چن لیتا ہے جو انسانوں تک اللہ کی ہدایت پہنچاتا ہے، اللہ کی بندگی کے ماڈل کے طور پر کام کرتا ہے اور نفوس انسانی کا تزکیہ کرتا ہے تاکہ احکامِ الٰہی کے مطابق زندگی بسر کرنا ان کے لیے آسان ہوجائے۔ یہ پیغمبر افراد کو تو مخاطب کرتا ہی ہے لیکن اس کے ساتھ اجتماعی زندگی کو بھی حتی المقدور الٰہی احکام کے مطابق بدلنے کی کوشش کرتا ہے۔

شریعت

اللہ کا دین شروع سے ایک ہی رہا ہے لیکن شریعت یعنی دین کے عملی احکام کی تفصیلات میں زمان ومکان کے بدلنے سے کچھ اختلاف واقع ہوتا رہا ہے جو ایک فطری امر ہے کیونکہ زمان و مکان کے تغیر، تمدنی ترقی، لوگوں کے فکروعمل، رسوم ورواج اور عادات واعراف میں فرق کی وجہ

Marfat.com

سے خود اللہ تعالیٰ اپنے نازل کردہ شرعی احکام کی تفصیلات میں "رحمة بالناس" فرق روا رکھتے رہے ہیں۔

تعبیر و تشریح نصوص

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے یہ فیصلہ کر لیا کہ محمد ﷺ آخری رسول ہیں اور مستقبل میں کوئی نبی نہیں آئے گا تو آئندہ آنے والے انسانوں کی ہدایت کے لیے اس نے یہ انتظام کیا کہ:

☆ قرآن حکیم کی حفاظت کا خود ذمہ لیا (پہلے کتابوں میں اکثر تحریف ہو جایا کرتی تھی لیکن نیا نبی آ کر معاملات سنبھال لیتا تھا۔ اب چونکہ نیا نبی نہیں آتا تھا لہٰذا کتاب کی حفاظت ناگزیر تھی)۔

☆ آخری نبی کا دائرہ کار سارے عالم کو قرار دیا اور امت محمدیہ کے ذمے لگایا کہ وہ تا قیامت پیغامِ ہدایت سارے انسانوں تک پہنچائے۔

☆ قرآن حکیم میں یہ اسلوب اختیار فرمایا کہ جن معاملات میں مستقبل میں تغیر کی ضرورت نہ تھی وہاں تفصیلی احکام دیے (جیسے عقائد، اخلاق، نکاح و طلاق وغیرہ) اور جہاں تغیر ناگزیر تھا وہاں صرف اصولی رہنمائی پر اکتفا کیا تا کہ امت کے اہل علم (مجتہدین) ضروری تفصیلات کا تعین خود کر لیں جیسے سیاسی نظام، معاشی نظام، سماجی نظام...... وغیرہ)۔

☆ شریعت نے اجتہاد کی صورت میں نصوص کے تحت عقل کا وسیع دائرہ کار مقرر کیا تا کہ امت (کے اہل علم) نصوص کی روشنی میں اور ان کے مقاصد اور حِکَم و علل کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان سے قیاس و استنباط کرتے ہوئے:

☆ نو پیش آمدہ امور کے حل پیش کر سکیں؛ اور

☆ قواعد کلیہ پر مشتمل مجمل احکام کی تشریح کر کے اجتماعی زندگی کے مختلف شعبوں کے لیے

Marfat.com

تفصیلی اور قابل عمل لائحہ عمل تیار کر سکیں۔

تا کہ اسلام زمان و مکان کے اختلاف کے باوجود ہمیشہ کے لیے اور ہر معاشرے کے لیے قابل عمل رہ سکے۔ اجتہاد کے اس نظام کی وجہ سے امت اور اس کے اہل علم میں اختلاف فکر ونظر ناگزیر تھا۔ پھر اس اختلاف نے جو ابتداءً انفرادی تھا، مرورِ زمانہ سے امت میں اجتماعی صورت اختیار کر لی اور بعض مسالک اور مکاتب فکر وجود میں آ گئے جن میں سے ہر ایک کی رائے یہ ہے کہ اس کا اجتہاد قرآن سنت کی نصوص اور منشا کے عین مطابق ہے۔

یوں اگر چہ سب مسلمان متفق ہیں کہ اللہ کی کتاب (قرآن حکیم) اور اس کے رسول (ﷺ) کی سنت ان کے دین کے مآخذ ہیں لیکن ان کے فہم دین اور دین پر عمل کی جزئیات میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔ ان میں سے ایک بڑا اختلاف وہ ہے جو جمہور اہل سنت اور شیعہ اقلیت میں ہے جو غالباً سب سے قدیم اور پختہ (established) ہے۔ کچھ دوسرے گروہ وہ ہیں جن کا اختلاف اتنا بنیادی تھا کہ امت نے انہیں اپنے وجود کا حصہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جیسے قادیانی، بہائی وغیرہ۔ لیکن وہ مرکزی گروہ جسے اہل سنت (اہل السنۃ والجماعۃ) کہا جاتا ہے، اس کے اندر بھی دین کی تفہیم وتشریح کے حوالے سے کئی گروہ اور مکاتب فکر موجود ہیں۔ جیسے فقہاء، متکلمین، محدثین، صوفیاء وغیرہ۔ اگر چہ ان مسالک کے بانی اور بڑے لوگ اس چیز کو سمجھتے تھے اور اس کا اظہار بھی کرتے تھے کہ دین اپنی اصل میں ایک ہے اور ان کا اختلاف اجتہادی ہے، فروعی امور میں ہے اور ان اختلافات کے باوجود بحیثیت امت اور مسلمان سب ایک ہیں اور سب حق پر ہیں لیکن مرورِ وقت کے ساتھ ان مسالک کے کم علم اور کم نظر لوگوں نے یہ سمجھنا اور کہنا شروع کر دیا کہ صرف ان کا مسلک اور ان کی تعبیر دین ہی صحیح ہے اور باقی لوگ گمراہ اور بر خود غلط ہیں۔

ظاہر ہے یہ نقطۂ نظر غلط بھی ہے اور نقصان دہ بھی۔ کیونکہ اگر جمہور اہل سنت (جو اس وقت مسلم آبادی کا تقریباً 90 فیصد ہیں اور بلاشبہ سواد اعظم ہیں) کے اندر کے مسالک بھی حق و باطل کا معیار بن جائیں تو امت در تقسیم در تقسیم ہوتی چلی جائے گی بلکہ ہو چکی ہے اور اسی وجہ سے بعض لوگ

Marfat.com

ان مسالک کی شدید مذمت کرتے ہیں اور انہیں خلاف اسلام سمجھتے ہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ انسانی معاشرے میں اختلاف ہونا فطری ہے اور اصولوں پر اتفاق کے بعد فروعات میں اختلاف ہونا ناگزیر ہے اس لیے قابل مذمت نہیں ہے بشرطیکہ اسے معیارِ حق و باطل بنا کر اسے بنیادی اہمیت نہ دے دی جائے اور امت کو تقسیم نہ کر دیا جائے۔

ہمارے نزدیک ان میں سے اکثر گروہ آج کل کسی نہ کسی طرح کی افراط و تفریط میں مبتلا اور عدم توازن کا شکار ہیں۔ آئندہ سطور میں ہم نے محض احقاق حق کی خاطر اس عدم توازن کی نشان دہی کی ہے اور آخر میں وہ نقطۂ نظر بھی بیان کر دیا ہے جو ہمارے نزدیک متوازن ہے۔ تاہم، جیسا کہ ہم نے عرض کیا کہ اس چیز کا تعلق تعبیر و تشریح دین سے ہے لہٰذا ممکن ہے کہ کوئی صاحب کل کلاں اس موضوع پر قلم اٹھائیں تو وہ ہمارے نقطۂ نظر کو بھی غیر متوازن قرار دے دیں۔

ان مکاتب فکر میں یہ اختلاف عموماً تو ترجیحات کے تعین، فقہی و سیاسی تفریعات اور دین کے بعض پہلوؤں پر شدید یا غیر ضروری اصرار، مبالغہ آرائی اور افراط و تفریط سے پیدا ہوتا ہے لیکن ان میں سے بعض گروہ انہیں گمراہ و کافر قرار دے کر ان کے ایمان کی نفی کرنے لگتے ہیں (جیسے مثلاً متجددین و منکرین سنت میں سے پرویزی مسلک کے لوگوں کی)۔ جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں اشارتاً عرض کیا کہ یہاں ہم اہل تشیع کو زیر بحث نہیں لائیں گے، جن کے نقطۂ نظر کو سارے اہل سنت غلط سمجھتے ہیں بلکہ بعض تو ان کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔

ہم نے یہ تحریر اپنے ان احباب اور تلامذہ کے لیے لکھی ہے جو عصر حاضر میں دین کے متوازن تصور کے حوالے سے ہمارا موقف قدرے تفصیل سے جاننے کے خواہش مند ہیں۔ ہم نے محسوس کیا کہ یہاں اس اصول کا اطلاق زیادہ کارگر ہوگا جس کی رو سے چیزیں اپنے اضداد سے پہچانی جاتی ہیں، چنانچہ براہ راست یہ کہنے کی بجائے کہ ہمارے نزدیک دین کا متوازن تصور یہ اور یہ ہے، ہم نے مناسب سمجھا کہ پہلے ان کو یہ بتا دیا جائے کہ دین کا متوازن تصور کہاں کہاں نہیں پایا جاتا۔ اس کے بعد جب ہم بتائیں گے کہ دین کا متوازن تصور یہ ہے تو شاید وہ زیادہ بہتر

Marfat.com

طریقے سے ان کی سمجھ میں آئے گا۔

یہ بھی ملحوظ رہے کہ کسی خاص تحریک، تنظیم، جماعت، ادارے اور مسلک کی تنقیص، مذمت یا رد ہمارے پیش نظر نہیں ہے۔ ہمارا اپنا تعلق اہل السنۃ والجماعۃ سے ہے، ہمارا مسلک اختلافی امور میں اعتدال اور توسط کا ہے اور ہمیں دین کے مرکزی دھارے اور جمہور سے جڑے رہنا اور امت کا اتحاد بہت عزیز ہے لہٰذا اس تحریر سے ہمارا مقصود اہل السنۃ والجماعۃ کی مخالفت نہیں بلکہ محض اس کے مختلف گروہوں میں پائے جانے والے بعض غیر متوازن رجحانات کی نشان دہی ہے تاکہ اگر وہ ہماری ان مخلصانہ اور خیر خواہانہ آراء میں وزن پائیں تو اپنے ہاں اصلاح کی کوشش کریں۔

یہ ایک قلم برداشتہ تحریر ہے کوئی تحقیقی کاوش نہیں، چنانچہ عام فہم رکھنے کے لیے ہم نے اسے حوالہ جات سے بوجھل کرنے سے احتراز کیا ہے۔ جن مکاتب فکر کا ہم نے ذکر کیا ہے ان کا نقطہ نظر بھی معروف ہے (جیسے تبلیغی جماعت کا زاویۂ نگاہ کہ وہ تبلیغ پر زور دیتی ہے اور جماعتِ اسلامی نفاذ اسلام اور اسلامی حکومت کے قیام پر اصرار کرتی ہے...... وغیرہ) لہٰذا ہم نے ان کے نقطہ ہائے نظر کے اثبات کے لیے بھی ان کی تحریروں کے حوالے دینے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اللہ کرے ہماری یہ کاوش کچھ لوگوں کے دین کے صحیح فہم میں ان کی مدد کرے۔

پس نوشت

اس تحریر کا مسودہ ۲۰۰۷ء میں تیار اور کمپوز ہو گیا تھا لیکن ہمیں اس کی طباعت کی افادیت کے بارے میں تذبذب رہا۔ اب جب ہم نے اس کی طباعت کا فیصلہ کیا کہ حق بات مناسب انداز میں لوگوں تک پہنچنی چاہیے تو اس میں برادرم محمد رشید صاحب (ملتان) کے بعض مشوروں کو بھی شامل کر لیا۔

پروفیسر طارق بٹ

کراچی جنوری ۲۰۱۴ء

Marfat.com

باب اول

عصر حاضر میں دین کے غیر متوازن تصورات

Marfat.com

فصل اول

مسلک ہی دین ہے

ایک ہے دین یعنی وہ طرزِ زندگی جس کی طرف ہماری رہنمائی اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے کی ہے اور ایک ہے مسلک۔ مسلک کو عربی میں مذہب کہتے ہیں، جسے ہم اردو میں مکتب فکر (school of thought) سے تعبیر کرتے ہیں۔ گویا دین کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے کسی خاص منہج یا نقطۂ نظر کو مذہب یا مسلک کہا جا سکتا ہے۔

دین کا تعلق چونکہ زندہ معاشرے سے ہوتا ہے لہٰذا اس امر کے باوجود کہ ابتداً عرب کا معاشرہ سادہ اور تہذیبی و تمدنی پیچیدگیوں سے بڑی حد تک مبرا تھا، جلد ہی عملی مشکلات نے مسلم اہل علم کو مجبور کیا کہ وہ اپنی تعبیرات دین اور اجتہادات کو مدون کریں۔ چنانچہ مختلف فقہی مکاتب فکر وجود میں آئے، احادیث رسول ﷺ بھی مدون ہوئیں اور عقیدہ و کلام کے لحاظ سے بھی مختلف مسالک مرتب ہو کر سامنے آئے۔ ان میں سے جمہور امت نے جن مسالک کو قبول و پسند کیا وہ فقہ میں ائمہ اربعہ و ظاہریہ اور کلام میں اشاعرہ و ماتریدیہ ہیں، جب کہ شیعہ، خوارج اور معتزلہ وغیرہ کے نقطہ ہائے نظر کو جمہور امت نے غلط اور غیر متوازن سمجھ کر رد کر دیا۔ معتزلہ تو صدر اسلام ہی میں معدوم ہو گئے، گو ان کے اثرات ہمیشہ باقی رہے اور آج بھی ہیں۔ اسی طرح خوارج بھی تقریباً ختم ہو گئے لیکن ان کا ایک فرقہ اباضیہ، جو خاصا معتدل ہے، آج بھی باقی ہے۔ عُمان (Oman) (جسے اردو والے اومان لکھتے ہیں تاکہ شرق اردن کے دارالخلافہ عَمان (Amman) سے اسے

Marfat.com

الگ تشخص کر سکیں) میں یہ حکمران ہیں جب کہ بعض افریقی علاقوں (زنجبار وغیرہ) میں بھی یہ پائے جاتے ہیں جب کہ اہل تشیع قدیم سے اب تک چلے آرہے ہیں۔ اس لیے بھی کہ وہ بعض مسلم علاقوں میں حکومتیں قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے [جیسے مصر کے فاطمی اور ایران کے صفوی] اور آج بھی بعض جگہوں پر وہ اکثریت میں ہیں جیسے ایران اور بحرین میں اور بعض جگہ وہ حکمران ہیں جیسے شام میں (اور اب عراق میں)۔

ظاہر ہے دین جیسے ہمی گیر اور ہمہ جہت ادارے میں فکر وعمل کی تفصیلات وتشریحات و جزئیات کے مختلف دائروں میں اختلاف رائے کی بنیاد پر کئی مکاتب فکر کا پایا جانا نہ تو غیر فطری ہے، نہ نقصان دہ اور نہ غیر شرعی بشرطیکہ ان اختلافات کو ان کی جائز حدود میں رکھا جائے۔ لیکن ہوتا یہ ہے کہ اپنے اپنے جس منہج ومسلک کی ابتداء انتہائی سادہ، پاکیزہ اور فطری طریقے سے ہوتی ہے، مرورِ زمانہ سے لوگ اسے 'دین' بنا لیتے ہیں اور 'حق' کو اپنے 'مسلک' میں محصور سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے اس مسلک کے لیے وہی تعصب اور عصبیت رکھنا شروع کر دیتے ہیں جو حقیقی دین کے لیے رکھنی چاہیے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ظاہر ہے کوئی کلامی یا فقہی مکتب فکر یا مسلک وجود میں آتا ہی اس وقت ہے جب دین کی کسی خاص حوالے یا نقطۂ نظر سے تعبیر کی جائے یا دین کے کسی شعبے میں اجتہادی آراء قائم کی جائیں...... بالفاظ دیگر جہاں دین خود اس کی اجازت دیتا ہے۔ گویا دین ان معنوں میں (untouchable) نہیں ہے کہ اس کی ایک سے زیادہ تعبیرات کی گنجائش نہ ہو یا اس کی نصوص سے فروعات کا استنباط نہ ہو سکتا ہو۔ اور جب دین کا معاملہ یہ ہے تو کوئی شخص بقائمی ہوش وحواس دین کی کسی خاص تعبیر وتشریح یا مکتب فکر کے بارے میں یہ رائے کیسے قائم کر سکتا ہے کہ (untouchable) ہے یا اس کی حقانیت فوق الاستدلال ہے۔ ہماری رائے میں ان لوگوں کا رویہ غلط ہے جو حق کو اپنے فقہی یا کلامی مسلک میں محصور سمجھتے ہیں، صرف اسے ہی صحیح سمجھتے ہیں اور باقی مسالک کے لوگوں کو جاہل، غلط، گمراہ یا کافر سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں صحیح طرزِ عمل وہی ہے جو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر مبنی ہے کہ میں مخالف

Marfat.com

کے مقابلے میں اپنی رائے کو صحیح سمجھتا ہوں لیکن اس میں غلطی کا امکان تسلیم کرتا ہوں اور مخالف کی رائے کو غلط سمجھتا ہوں لیکن اس میں صحت کا امکان تسلیم کرتا ہوں۔ ظاہر ہے جب کسی کی رائے اجتہاد و استنباط پر مبنی ہو تو اس میں غلطی کا امکان موجود ہوتا ہے اور اس کی صحت پر اس طرح مبالغے کے ساتھ اصرار کرنا کہ اسے معیارِ حق و باطل قرار دے دیا جائے، ایک بے معنی بات ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کسی سے پوچھا کہ تمھارے فلاں معاملے کا کیا بنا؟ اس نے کہا قاضی (حضرت زید رضی اللہ عنہ بن ثابت) نے یہ فیصلہ دیا ہے۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر معاملہ میرے پاس آتا تو میں اس کے برعکس یہ فیصلہ کرتا۔ اس نے کہا کہ آپ امیر المومنین ہیں، اپنی رائے نافذ کیوں نہیں کرتے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میں تمھیں قرآن و سنت کے کسی صریح حکم کی طرف لے جاتا تو دوسری بات تھی۔ اب میری بھی (قران و سنت سے مستنبط شدہ) ایک رائے ہے اور زید (رضی اللہ عنہ) کی بھی ایک رائے ہے تو میں اپنی رائے کیوں مسلط کروں؟

خلاصہ یہ کہ مختلف مکاتب فکر میں اور خصوصاً اہل سنت میں (یعنی مذاہب اربعہ اور ظاہریہ میں) حق و باطل کی طرح تفریق روا رکھنا غلط اور ناروا ہے۔ اور ہمارے ہاں برصغیر پاک و ہند میں تو درفنطنی یہ ہے کہ یہاں احناف کے مزید دو ذیلی مسلک ہیں ایک دیوبندی (یعنی مدرسہ دیوبند کے علماء کے پیروکار) اور دوسرے بریلوی (یعنی رائے بریلی کے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے پیروکار) اور دونوں ایک دوسرے پر زبان طعن دراز کرتے ہیں، حالانکہ اصولوں میں دونوں متفق ہیں اور دونوں حنفی ہیں۔ بلکہ ہمارے ہاں تو یہ مضحکہ خیز صورت حال بھی موجود ہے کہ ایک مسلک کے اندر بھی اختلافات کی وجہ سے تقسیم در تقسیم کا عمل جاری ہے مثلاً دیوبندی حنفیوں میں حیات پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے حیاتی و مماتی گروپ پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کو ضال و مضل کہتے اور سمجھتے ہیں۔ سیاسی اختلافات بھی مسالک میں تقسیم کا سبب ہیں بلکہ بعض اوقات تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہر مسلک میں جتنے لیڈر ہیں اتنے ہی گروپ یا جماعتیں ہیں اور یہ ایک دوسرے کے سخت خلاف ہیں۔ یہ لوگ دوسرے مسالک کے ساتھ بیٹھ کر گفت و شنید کر سکتے ہیں

Marfat.com

لیکن ایک ہی مسلک کی حامل جماعتیں آپس میں مل بیٹھنے پر تیار نہیں چنانچہ جمعیت علماء پاکستان اسلام کے کئی گروپ اور اہل حدیث حضرات کی متعدد جماعتیں اور ان کا طرز عمل اس کا گواہ ہے۔

اسی طرح ہمارے ہاں کے اہل حدیث (اہل ظاہر یا غیر مقلدین) سعودی عرب کے 'وہابیوں' (شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروکاروں) سے دوستی کی وجہ سے مردود گردانے جاتے ہیں حالانکہ مملکت سعودیہ کا فقہی ڈھانچہ آئینی اور قانونی لحاظ سے فقہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر مبنی ہے اور حنابلہ متفقہ طور پر اہل سنت اور مذاہب اربعہ میں سے ہیں لہٰذا بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ یہ سب مذاہب و مسالک برحق ہیں اور ان میں سے کسی کو دوسرے پر ترجیح دینا محض اجتہادی بلکہ راجح اور مرجوح کا مسئلہ ہے نہ کہ حق و باطل اور کفر و اسلام کا۔ لیکن اس کے باوجود پاکستان میں مسجدیں اسی بنا پر علیحدہ ہیں، مدرسے اسی بنا پر الگ ہیں، سیاسی جماعتیں اسی تفریق پر مبنی ہیں، دینی تعلیم کے وفاق اسی بنیاد پر الگ ہیں اور اسی کے اثرات ہماری معاشرت پر بھی ہیں مثلاً کسی بریلوی اور اہل حدیث مسلمان میں شادی اتنی ہی ناممکن ہے جتنی کہ کسی مسلمان اور ہندو میں۔ غرض یہ کہ ہمارا سارا دینی، تہذیبی اور سماجی ڈھانچہ اس تباہ کن تفریق اور مسلک پرستی پر مبنی ہے۔ یہاں ہر مسلک کا مدرسہ کہنے کو تو دینی مدرسہ ہے لیکن عملاً وہاں اس مسلک کے عالم تیار کیے جاتے ہیں نہ کہ محض دین کے عالم۔ طریق تدریس یہ ہے کہ ہر مسلک کے حامل اساتذہ متعلقہ اختلافی آیات و احادیث کی طول طویل تشریح اپنے مسلک کے اثبات کے حوالے سے کرتے ہیں اور مخالف نقطۂ نظر کو اصرار اور قوت سے رد کرتے ہیں اور زیر تعلیم علماء کی ایسی تربیت کرتے ہیں کہ انہیں اپنے مسلک کا متعصب علمبردار بنا کر نکالتے ہیں۔ پھر مسجدوں پر چھینا جھپٹی ہوتی ہے اور ایک دوسرے کی مسجدوں پر زبردستی قبضے کیے جاتے ہیں، ایک دوسرے کے خلاف لٹریچر پھیلایا جاتا ہے، جلسے کیے جاتے ہیں، مناظرے ہوتے ہیں، پوسٹر لگائے جاتے ہیں اور بعض اوقات نوبت فتنہ وفساد اور سر پھٹول تک پہنچتی ہے بلکہ پاکستان میں شیعہ سنی اختلاف نے تو قتل و غارت کی جو گھمبیر صورت اختیار کر لی ہے وہ ایک المیہ سے کم نہیں۔ اور یہ بات بھی نوٹ کرنے کی ہے

Marfat.com

کہ اس میں شیعوں کے خلاف سارے اہل سنت نہیں بلکہ صرف دیوبندی حنفیوں کا ایک مختصر سا گروہ متحرک ہے۔ اب اہل تشیع کو کوئی لاکھ غلط اور گمراہ کہے لیکن ان کے وجود سے انکار کیسے ممکن ہے؟ جب وہ چودہ سو سال سے مسلم معاشرے کا حصہ ہیں تو آج ان کو کافر کہہ کر کیسے گردن زدنی قرار دیا جاسکتا ہے؟ اگر پاکستان میں عیسائی اور ہندو امن سے رہ رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اہل سنت اہل تشیع کے ساتھ امن سے نہیں رہ سکتے؟

اہل مسلک اپنے مسلک کو عین دین باور کرانے کے لیے کئی طرح کے اسالیب اختیار کرتے ہیں مثلاً اہل تشیع اپنے آپ کو 'مومنین' کہتے ہیں۔ منکرین سنت اپنے آپ کو اہل قرآن کہتے ہیں اور ہمارے ہاں کے اہل حدیث تو اپنے طرز فکر و عمل کو سرے سے مسلک ہی نہیں مانتے بلکہ کہتے ہیں کہ اہل مسالک تو مقلدین ہیں ہم تو قرآن وسنت پر عمل کرتے ہیں حالانکہ اہل الرائے کے مقابلہ میں اہل الحدیث کا طرز فکر و عمل پہلی صدی ہجری کے آخر ہی میں نمایاں ہو گیا تھا اور یہ تب سے ایک مذہب و مسلک ہیں اور اب تو یہ غیر مقلد بھی نہیں بلکہ اپنے غیر مقلد ائمہ اور محدثین کی پیروی کرتے ہیں لہٰذا ان میں سے کوئی اگر اپنے طرز عمل کو مسلک کہے تو اسے 'مسلک حقہ'' قرار دیتا ہے۔ یہی حال دوسرے مسالک کا ہے کہ ہر صاحبِ مسلک صرف اپنے مسلک کو سچا اور دوسرے مسالک والوں کو گمراہ اور ضال و مضل سمجھتا ہے۔

ہماری رائے میں دینی مسالک کا جواز ہے اور وہ دین میں وسعت، کشادگی، علمی اختلاف اور کشادہ ظرفی کا مظہر ہیں۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ فرقے غیر اسلامی ہیں اور انھیں ختم کر دینا چاہیے۔ ہماری رائے میں ان کا یہ طرز فکر مناسب نہیں ہے کیونکہ یہ مکاتب فکر یا مسالک صدیوں سے قائم ہیں، اسٹیبلش ہو چکے ہیں اور انہیں طاقت سے ختم نہیں کیا جا سکتا بلکہ اگر انہیں ختم کرنے کی کوشش کی گئی تو جتنا فتنہ وفساد ان کی وجہ سے ہے، اس سے زیادہ بڑا فتنہ پیدا ہو جائے گا لہٰذا اس اختلاف رائے کو برداشت کرنا چاہیے اور ''Unity in Diversity'' کے اصول کو اپنانا چاہیے یعنی ہمارے اندر بلاشبہ اختلافات موجود ہیں لیکن ہم ان اختلافات کے باوجود متحد اور ایک ہیں۔

Marfat.com

ان اختلافات کو امت کی وحدت میں رخنہ ڈالنے کا ذریعہ بنانا غلط ہے۔آخر ہم دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث ہوتے ہوئے بحیثیت مسلمان ایک کیوں نہیں ہو سکتے؟ اور ایک دوسرے کو خوشدلی کے ساتھ کیوں برداشت نہیں کر سکتے؟ پنجاب یونیورسٹی میں شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے سابق سربراہ اور پاکستان میں اردو کی تحریک کے فعال سرپرست ڈاکٹر سید عبداللہ مرحوم کہا کرتے تھے کہ اگر میرا کسی کے ساتھ ایک فیصد اتفاق اور ۹۹ فیصد اختلاف ہو تو میں اس ایک فیصد اتفاق کی بنیاد پر اس کے ساتھ مل کر کام کر سکتا ہوں۔ ہمارے دینی عناصر کا حال یہ ہے کہ وہ سو فیصد اتفاق پر اصرار کرتے ہیں اور اس میں ذرا بھی کمی ہو تو اسے ناقابل برداشت سمجھتے ہیں۔اسی لیے اختلاف رائے ان کے نزدیک ناقابلِ قبول ہے۔اگر وہ اپنے مسلک کو دین نہ سمجھیں اور اسے معیار حق و باطل نہ بنائیں اور دین کو اس میں محصور نہ سمجھیں تو تو کسی بھی مسلک کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے میں آخر کیا ہرج ہے؟

یہاں اس طرح اشارہ کرنا بے جا نہ ہوگا کہ اگرچہ مسلک پرستی کے ذمہ دار اصولی طور پر ہمارے مذہبی عناصر ہیں لیکن اس کو فروغ دینے میں پاکستانی حکومتوں اور ان کی خفیہ ایجنسیوں کا کردار بھی کم غیر اہم نہیں اور اس سے مقصود ان کو یہ ہوتا ہے کہ دینی عناصر باہم لڑتے رہیں، متحد نہ ہوں تا کہ سیکولر اور سیاسی عناصر آرام سے حکومت کر سکیں چنانچہ مساجد و مدارس کی فرقہ وارانہ بنیادوں پر رجسٹریشن حکومت کرتی ہے اور دینی سیاسی جماعتوں کی فرقہ وارانہ بنیادوں پر تنظیم اور دینی تعلیم کی فرقہ وارانہ بنیادوں پر پانچ وفاقوں کی صورت میں منظوری بھی حکومت ہی نے دی ہے۔اسی پر آپ مزید قیاس کر لیجیے۔

یہ بھی واضح رہے کہ مسلک پرستی کو غلط کہنے کا مطلب یہ ہے کہ مسلک اور مکتب فکر کے اختلاف کی بنیاد پر دوسرے مسلمانوں کی تفسیق، تکفیر اور تذلیل کرنے کے رویہ کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اس کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ شرک، بدعات، توہین صحابہ، ائمہ وفقہاء کی توہین اور اہل بیت کی تنقیص جائز ہے۔نوع انسانی کو بالعموم اور مسلمانوں کو بالخصوص ان گناہوں سے

Marfat.com

بچانے کے لیے نہایت اخلاص، خیر خواہی اور ہمدردی سے مسلسل کوشش کرنا قرآن وسنت کی رو سے ضروری ہے۔لہٰذا تمام مسالک ومکاتب فکر کا احترام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے ان گناہوں سے مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنا قابل تحسین ہے۔

آخری بات یہ کہ علماء کرام کو سمجھ لینا چاہیے کہ ان کے اندر فرقہ واریت اور مسلک پرستی ختم کرانے باہر سے کوئی نہیں آئے گا۔ یہ کام صرف احتساب نفس ہی سے ہوسکتا ہے لہٰذا سارے مسالک کے معتدل مزاج، ثقہ اور بزرگ علماء کرام کو جو اس بیماری سے پاک ہوں، مل بیٹھ کر اور جڑ کر سوچنا چاہیے کہ اس مصیبت سے نجات کے لیے اقدامات کیے جائیں، تحریر وتقریر اور تدریس کے لیے ضابطۂ اخلاق بنایا جائے اور مساجد ومدارس کو اتحاد بین العلماء اور اتحاد بین المسالک کے لیے استعمال کیا جائے۔

❀ ❀ ❀

Marfat.com

فصل دوم

اسلام کی سیاسی تعبیر

اسلام کی سیاسی تعبیر سے مراد یہ ہے کہ سیاست اور حکومت واقتدار کو دین میں وہ مقام دینا جو اصلاً اس کا نہیں ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ 1924ء میں حکومت کے خاتمے کے بعد مسلم معاشرے میں ابھرنے والی جدیدی دینی تحریکوں (مصر میں الاخوان المسلمون، برصغیر میں جماعت اسلامی...... وغیرہ) نے، جن کے قائدین روایتی علماء نہیں تھے، اپنے آپ کو احیائے دین کے لیے ایک اصولی جماعت اور اپنے لائحہ عمل کو اقامت دین قرار دیا۔ انھوں نے ماضی کے علماء وصلحاء کی یہ اپروچ کہ ”حکمرانوں کے حریف بنے بغیر اور سیاسی نظام کو چیلنج کیے بغیر پرامن طریقے سے ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے“ ترک کر کے خود سیاسی جدوجہد شروع کر دی تاکہ ان کی جماعت برسراقتدار آ کر غلبۂ دین اور نفاذ شریعت کے لیے کام کر سکے۔ اس کام کو انھوں نے دین کا سب سے بڑا اور بنیادی تقاضا قرار دیا۔ نماز، روزہ اور حج کو اس کے لیے بمنزلہ ٹریننگ کورس قرار دیا اور قرآن کی بنیادی اصطلاحات کی اس طرح تشریح کی کہ دین کا مغز اور اساسی ہدف بس یہی کام ہے۔

دین کی سیاسی مبالغہ آرائی پر مبنی اس تشریح وعمل کو ہم نے دین کی سیاسی تعبیر قرار دیا ہے ورنہ نہ یہ خواہش و کوشش غلط ہے کہ اجتماعی زندگی میں اسلام آجائے اور نہ اس کے لیے کوشش کرنا

Marfat.com

مردود ہے بلکہ یہ دونوں چیزیں دین میں مطلوب ہیں اگرچہ جمہور امت ؒ کے نزدیک ان کا تناظر دوسرا ہے جس کی وضاحت کچھ یوں ہے:

اسلامی تعلیمات کو عموماً چار بڑے شعبوں میں تقسیم کیا جاتا ہے:

۱۔عقائد ۲۔عبادات ۳۔اخلاق ۴۔معاملات

پھر معاملات کے کئی پہلو ہیں؟ معیشت، معاشرت، قانون، عدلیہ، تعلیم، سیاست، ثقافت......وغیرہ۔ گویا دین میں سیاست کا مقام یہ ہے کہ وہ اس کے چوتھے حصے کا بھی محض ایک جزو ہے۔

پھر قرآن حکیم کی رو سے انسان اللہ کا عبد ہے اور اس کا نصب العین ہے اللہ کی رضا اور خوشنودی کا حصول۔ اللہ کی خوشنودی کے حصول کا ذریعہ ہے اللہ کی بندگی۔ اس بندگی کے دو بڑے مظہر ہیں: اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت۔ گویا عبد کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی دنیاوی زندگی اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کرتے ہوئے گزارے تاکہ اسے آخرت میں اللہ کی خوشنودی حاصل ہو جائے۔ انسان کو اس بندگی کے لیے تیار کرنے کا طریقہ ہے تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ، جن سے مقصود یہ ہے کہ انسانی شخصیت کی ایسی نشوونما ہو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا اس کے لیے ممکن اور سہل ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے کہ پہلے انبیاء کو بھی تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیے کا یہی طریق کار بتایا گیا تھا ❶ اور آخری نبی حضرت محمد ﷺ کو بھی اسی پر عمل کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ ❷

اللہ بندوں کی ہدایت کے لیے پیغمبر مبعوث کرتا ہے جو انسانوں تک اس کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ جو لوگ اس پیغام کو مان کر اس پر عمل کرتے ہیں، وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور اپنی ذاتی زندگی میں اللہ کی تابعداری کرتے ہیں اور اگر بہت سارے لوگ اللہ کی اطاعت اختیار کر کے ایک نظمِ اجتماعی تشکیل دے لیں تو اس نظمِ اجتماعی کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے اجتماعی احکام پر عمل کرے۔

---

❶ الاعلیٰ ۸۷: ۱۴۔۱۹ ❷ آل عمران ۳/ ۱۴۶

Marfat.com

تاہم ظاہر ہے کہ انبیاء کا بنیادی کام اللہ کا پیغام پہنچا دینا ہے۔ اگر انسان ان کی بات نہ مانیں اور سب مل کر انہیں رد کر دیں تو پھر بھی انبیاء کرام کامیاب ہیں اور اگر کچھ لوگ ایمان لے آئیں اور اکثریت نہ لائے تو پھر بھی پیغمبر نے تو اپنا فرض ادا کر دیا۔ تاہم اگر لوگوں کی اکثریت ایمان لے آئے یا اتنی تعداد میں لوگ ایمان لے آئیں کہ وہ ایک معاشرہ اور ریاست تشکیل دے سکیں اور اللہ تعالیٰ پیغمبر کو اتنی شوکت وقوت عطا فرما دیں کہ ریاستی اقتدار اسے مل جائے تو وہ لامحالہ نظم اجتماعی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہی چلاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی معاشرے یا ریاست کا قیام، بایں معنی ہر پیغمبر کی ذمہ داری نہیں کہ وہ ضرور ہی یہ کام کرے ورنہ اسے اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں ناکام سمجھا جائے گا بلکہ اگر سب لوگ یا کم از کم اتنے لوگ اس پر ایمان لے آئیں جو ریاست قائم کر سکتے ہوں تو پھر پیغمبر کی ضرور ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی ریاست قائم کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ معدودے چند پیغمبر ہی اسلامی ریاست قائم کر سکے اور ان کی عظیم اکثریت کو اس کا موقع نہیں ملا۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ حشر کے دن جب ہر پیغمبر اپنی امت کے ساتھ اٹھایا جائے گا تو کوئی پیغمبر ایسا بھی ہوگا جو تنہا ہوگا یا اس کے ساتھ محض چند آدمی ہوں گے ❶۔ مطلب یہ کہ پیغمبروں کا کام لوگوں تک اللہ کا دین پہنچا دینا ہے نہ کہ ہر حال میں اسلامی ریاست قائم کرنا اور اسے چلا کر دکھا دینا۔

اسی اصول کو آپ مسلمانوں پر بھی منطبق کر لیجیے۔ اگر کسی معاشرے میں مسلمانوں کی اکثریت ہو یا انہیں اتنی طاقت وشوکت حاصل ہو کہ وہ ریاست قائم کر سکیں تو انہیں ضرور ریاست قائم کرنی چاہیے اور یہ ریاست اسلامی ریاست ہونی چاہیے جو اسلام کے اجتماعی احکام پر عمل کرے اور مسلمانوں کو انفرادی لحاظ سے اسلامی زندگی گزارنے میں مدد دے۔ اور اگر کسی مسلم مملکت میں مسلمان حکمران یہ فریضہ ادا نہ کریں تو تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پرامن جدوجہد سے ان کی اصلاح کی کوشش کریں تاکہ وہ اپنے فرائض صحیح طریقے سے ادا کریں۔ اور اگر

---

❶ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب فی قول النبیؐ انا اول الناس یشفع......

Marfat.com

معاملہ حد سے گزر جائے اور حکمران اسلام کی بنیادی تعلیمات پر نہ خود عمل کریں اور نہ دوسروں سے کروائیں تو اگر مسلمانوں کے لیے ممکن ہو تو وہ انہیں قوت سے بھی ہٹا سکتے ہیں۔ لیکن اگر کسی معاشرے میں مسلمان تھوڑے ہوں، کمزور ہوں تو ان پر اسلامی ریاست کا قیام فرض نہیں ہے۔ ہم محض اپنی بات سمجھانے کے لیے بطور مثال عرض کرتے ہیں کہ امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد دو تین فیصد ہے اور انہیں وہاں کوئی قوت و شوکت حاصل نہیں ہے لہٰذا امریکہ کے مسلمانوں پر اسلامی ریاست کا قیام فرض و واجب نہیں ہے اور یہ کہنا محض حماقت ہے کہ فریضہ ''اقامت دین'' کا تقاضا یہ ہے کہ مسلمان وہاں اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد کریں۔ اس کے برعکس پاکستان میں مسلمانوں کی تعداد ۹۷ فیصد ہے لہٰذا پاکستان کو ایک اسلامی ریاست ہونا چاہیے اور یہ کہنا حماقت ہوگی کہ پاکستان کو ایک اسلامی ریاست نہیں ہونا چاہیے۔ اور اگر یہاں کے حکمران اسلامی تعلیمات پر عمل نہ کریں اور نہ کرائیں تو مسلمانان پاکستان کا فرض ہے کہ وہ ان کی اصلاح کے لیے کوشش کریں۔

تاہم اس اصلاح کے فرض ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ان کے خلاف جہاد کرنے کے لیے اٹھ کھڑا ہو یا ہر آدمی پر فرض ہے کہ انہیں اقتدار سے ہٹانے کے لیے سیاسی جماعت بنائے یا سیاسی جدوجہد کرے بلکہ ہر آدمی اپنی طاقت، حیثیت، صلاحیت اور مزاج کے مطابق یہ کام کرسکتا ہے۔ کوئی انہیں زبانی کہہ دے یا کوئی انہیں لکھ کر متوجہ کردے تو بھی اس کا فرض ادا ہو گیا۔ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے غیر صالح حکمرانوں کی اصلاح کے لیے یا برے حکمرانوں کو بدل کر ان کی جگہ نیک حکمران لانے کے لیے سیاسی جماعت بنا کر جدوجہد نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ انھوں نے یہ فریضہ ادا نہیں کیا۔ یا محض چند ایک استثناءات کے سوا اسلاف نے کبھی غیر صالح مسلم حکمرانوں کو قوت سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انھوں نے یہ فریضہ ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔

اقامت دین کے مفہوم اور طریق کار نے بھی بعض غلط فہمیوں اور فکری تضادات کو جنم دیا

Marfat.com

ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اقامت دین ایک قرآنی اصطلاح ہے اور دین کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ افراد دین کے احکام پر عمل کریں، اس سے وابستگی اختیار کریں اور اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اس کی تعلیمات کے مطابق گزاریں لیکن عصر حاضر میں اقامت دین کی علمبردار جماعتوں نے اس کی تشریح کرتے ہوئے اجتماعی زندگی پر زیادہ ترکیز کی اور اس کے لیے اقتدار کے حصول، قانون سازی اور قوت نافذہ یعنی حکومت کے قیام کو لازمی قرار دیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے اس کے لیے عملی سیاسی جدوجہد شروع کی اور مغرب کی ملحدانہ فکر و تہذیب کی سرمایہ دارانہ اور لبرل جمہوریت کے تحت اس میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس کام میں ان کی مصروفیت اتنی بڑھی کہ دعوت و اصلاح، فرد کی تعمیر شخصیت و کردار اور اصلاحِ معاشرہ کے کام سے صرف نظر ہو گیا اور جو تھوڑا بہت کام ہوا وہ سیاسی مقاصد کے حصول کے ضمن میں ہوا۔ اور اس کی حیثیت ضمنی اور طفیلی کام کی ہوگئی اور وہ غیر موثر ہو گیا۔ اقامت دین کو سیاست و حکومت تک محدود کرنے کی یہ پالیسی خود اقامت دین کے قرآنی مفہوم کے بھی خلاف ہے اور غالباً یہی جدید دینی تحریکوں کی ناکامی کا بڑا سبب بھی ہے۔

اسلام کی سیاسی تعبیر کو اگر ہم سمجھنے کی کوشش کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ بعض مخصوص حالات کے ردعمل میں ابھری ہے جن میں سے چند اہم یہ ہیں:

☆ اسلام نے جو قوتِ عمل صدرِ اسلام میں مسلمانوں میں ابھار دی تھی وہ بعد کی صدیوں میں اسلام سے وابستگی میں کمی کے نتیجے میں کم ہوتی گئی اور بتدریج مسلمان ان اوصاف سے محروم ہوتے گئے جو دنیاوی حکمرانی کے لیے ضروری ہیں۔ چنانچہ انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی میں مسلمان مغلوب ہو گئے اور مغربی تہذیب کے حامل طاقتور ملکوں نے مسلمان علاقوں پر قبضہ کر لیا۔

☆ مسلم نظام حکومت میں غلط رخ میں ہونے والے ارتقاء کو روکنے کے لیے صدر اسلام میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے جو سیاسی اور انقلابی کوششیں

Marfat.com

کیں، ان کی ناکامی اور ان دو بزرگ ہستیوں کی مظلومانہ شہادت نے ان سیکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کے طریق کار اور طرز عمل پر مہر تصدیق ثبت کر دی جو ''سیاسی زندگی'' کی اصلاح بذریعہ سیف کرنے کی بجائے سیاسی زندگی میں در آنے والی خرابیوں کو تعلیم، تزکیہ، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، تواصی بالحق اور عامۃ المسلمین کی اجتماعی آواز کو طاقتور بنا کر اصلاح کا کام کرنے کا رجحان رکھتے تھے۔ لہٰذا علماء وصلحا نے سیاسی اقتدار سے کنارہ کشی کر کے مساجد ومدارس اور خانقاہوں میں اسلامی تعلیم وتربیت اور اصلاح کا کام سنبھال لیا جو صدیوں تک جاری رہا۔ اس دوران وہ وعظ ونصیحت سے مسلم حکمرانوں کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے لیکن انہوں نے سیاسی نظام کو بدلنے یا الٹنے کی کوشش نہیں کی (سوائے چند ایک استثناءات کے) اور یہ نظام یوں ہی جاری تھا کہ ۱۹۲۴ء میں خلافت کا وہ روایتی نظام ختم ہو گیا اور پوری دنیا میں اسلامی نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ خلافت کے روایتی سیاسی نظام کے خاتمے کے بعد اب بعض اہل علم نے سوچا کہ علماء کے سیاسی نظام سے دوری کے اس فلسفے کو جاری رکھنا ضروری نہیں جس پر وہ پچھلی صدیوں میں عمل پیرا رہے تھے۔ لہٰذا جدید دور کے تقاضوں کے مطابق انھوں نے دینی جماعتیں منظم کیں اور سیاسی میدان میں اسلامی نقطۂ نظر سے جدوجہد شروع کر دی تاکہ وہ اقتدار ہاتھ میں لے کر قیادت کے صحیح اسلامی تقاضے پورے کر سکیں یا ان کی اصطلاح میں ''اسلامی نظام زندگی'' نافذ کر سکیں۔

☆ مسلمانوں کے ہاں قرون متاخرہ میں تصوف کے بعض ایسے نظریات نے بھی مسلمانوں کے زوال میں کردار ادا کیا جس کا مقصود دنیا کی تحقیر اور دنیاوی جدوجہد میں حصہ نہ لینے کا رجحان تھا، جس کے ڈانڈے غیر اسلامی رہبانیت سے جا ملتے تھے۔ اس لیے بعض اہل علم کے نزدیک ان غلط اثرات سے چھٹکارے کے لیے بھی یہ ضروری تھا کہ مسلمانوں کو یہ بتایا جائے کہ اسلام دنیا میں ترقی اور کامیابی کے لیے بھی لائحہ عمل دیتا ہے اور محض آخرت کی

۱۴۷۸۵۸

Marfat.com

بہتری اور کامیابی ہی اس کے پیش نظر نہیں ہے۔

☆ مغربی فکر و تہذیب سے متاثر ہو کر اور اس کی فتح و غلبے سے مرعوب ہو کر بہت سے پڑھے لکھے مسلمان یہ سمجھنے لگے تھے کہ دنیاوی کامیابی کے لیے مغربی تہذیب کی پیروی ضروری ہے۔اس لیے عہد حاضر کے بعض علماء وسکالرز یہ سوچنے لگے کہ مسلمانوں کو یہ بتانا ضروری ہے کہ اسلام بھی ایک مکمل نظام حیات ہے اور وہ نہ صرف زندگی گزارنے کا مکمل لائحہ عمل دیتا ہے بلکہ اگر مسلمان یکسو ہو کر اور متحد ہو کر جدوجہد کریں تو اسلام دنیاوی زندگی میں کامیابی اور عروج سے بھی ہمکنار کرتا ہے۔

اس پس منظر میں بعض مسلم اہل علم نے جو دینی تحریکیں چلائیں وہ بتدریج سیاسی جماعتیں بن کر رہ گئیں۔مغرب اور ان کے ایجنٹ مسلم حکمرانوں نے انہیں نہ تو صحیح طریقے سے کام کرنے دیا اور نہ ان کو کامیاب ہونے دیا بلکہ ان کی راہ میں روڑے اٹکائے اور ان پر ظلم وستم روا رکھا۔نیز ان دینی تحریکوں کو بھی مغربی جمہوریت کے اسی رستے پر چلنا پڑا جو سکہ رائج الوقت تھا اور ان کے قائدین و کارکنان بھی بتدریج ان آلودگیوں میں مبتلا ہوتے گئے جو مغرب کی لادین جمہوریت اور معاشرت کا ناگزیر جزو تھے۔

اسلامی کی سیاسی تعبیر کی حامل جدید اسلامی تحریکوں سے بلاشبہ مسلم معاشرے کو کچھ فوائد بھی حاصل ہوئے ہیں تاہم ان کی فکر اور جدوجہد سے مسلم معاشرے پر دینی لحاظ سے جو مضر اثرات پڑے ہیں،موضوع کی مناسبت سے ان کا کچھ ذکر یہاں کیا جاتا ہے:

☆ دینی سیاسی جماعتوں کی جدوجہد سے دین ایک تحریک،نظام حیات اور دنیاوی زندگی کے لائحہ عمل کے طور پر ابھرا اور دین میں آخرت کی ترجیح کا تصور اور دنیاوی زندگی کے مقابلے میں اس کے اہم تر ہونے کا تصور پس منظر میں چلا گیا۔

☆ آخرت میں اللہ کی رضا کے نصب العین ہونے کا تصور کمزور ہوا اور اقامت دین بمعنی حکومت اسلامی کا قیام ہی دین کا بنیادی ہدف اور مقصد قرار پایا۔

Marfat.com

☆ اقامت دین کے تصور کو برحق ثابت کرنے کے لیے ان تحریکوں کے قائدین نے دینی تعلیمات و نصوص کی غیر عادلانہ اور عدم توازن پر مبنی تفسیر کی۔ انھوں نے دین کی بنیادی اصطلاحات اور قرآنی آیات و احادیث کی یک رخی تشریح کی [1] اور یہ بھی خیال نہ کیا کہ پچھلے چودہ سو سال میں علماء، مفسرین، محدثین اور فقہاء نے دین کو اس طرح نہیں سمجھا اور نہ دین پر اس طرح عمل کیا ہے۔ اس سے یہ تاثر ابھرا کہ دین کو پیغمبر ﷺ کے بعد کسی نے صحیح طریقے سے نہیں سمجھا سوائے ان تحریکوں کے قائدین کے۔ یوں اسلامی تاریخ کی سیاہ تصویر ابھری اور اسلاف کے لیے استخفاف کے جذبات پیدا ہوئے۔

☆ دین کی ترجیحات میں تبدیلی واقع ہوئی اور اہم دینی تصورات اور ادارے اِقامت دین کا نصب العین رکھنے والی سیاسی جدوجہد کا ذریعہ اور اس کے طفیلی بن کر رہ گئے مثلاً نماز، روزہ، دعوت، اصلاح معاشرہ، خدمت خلق وغیرہ اقامت دین کی جدوجہد اور غایت کے لیے آلہ، ذریعہ اور بمنزلہ ٹریننگ کورس ٹھہرے اور عبادات، نوافل اور کثرت ذکر وغیرہ کا رجحان کمزور ہوا۔

☆ جن دینی تحریکوں کی ابتداء اقامت دین کے نعرے اور دین کے لیے وسیع تر اصولی جدوجہد سے ہوئی تھی، انھوں نے بتدریج سیاسی جدوجہد پر توجہ مرکوز کر لی، دیگر دینی سرگرمیاں محدود ہوتی گئیں اور جو رہ گئیں وہ سیاسی جدوجہد کی طفیلی بن گئیں۔ یوں یہ اصولی دینی تحریکیں عملاً محض سیاسی جماعتیں بن کر رہ گئیں۔ دوسری سیاسی جماعتوں سے ان کا امتیاز محض یہ ٹھہرا کہ یہ اسلامی سیاسی جماعتیں ہیں ورنہ ان کا مقصد، ہدف، طریق کار اور لائحہ عمل اپنی تفصیلات میں وہی ہو گیا جو دیگر سیکولر سیاسی جماعتوں کا ہے یعنی مغربی طرز کی جمہوری جدوجہد کے ذریعے بہر قیمت اقتدار حاصل کرنا۔

☆ ابتداء میں ان دینی تحریکوں کے وابستگان دینی فکر و عمل میں مستعد و متحرک تھے اور مغربی

---

[1] دیکھیے مثلاً سید ابوالاعلیٰ مودودی، قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں، اسلامک پبلی کیشنز، لمیٹڈ لاہور

Marfat.com

تہذیب کے نکتہ چین اور مخالف تھے لیکن بتدریج مغربی تہذیب کا جادو دوسرے لوگوں کے ساتھ ساتھ ان تحریکوں کے وابستگان کے بھی سر چڑھ کر بولنے لگا اور یہ بھی معاشرے کے دوسرے عناصر کی طرح مغربی فکر وتہذیب کی بالا دستی کے سیلاب میں بہہ گئے۔ دنیا پرستی، معیار زندگی کی بلندی، کمرشلزم، عزت کا معیار دولت ہونا، ہر قیمت پر امیر بننا، اپنے تعلیمی اداروں میں غیر ملکی وغیر مسلم مصنفین کی نصابی کتب لگوانا، مغربی تہذیب کے اصولوں کے مطابق مسلمان بچوں کی تربیت کرنا (مغربی لباس، انگریزی ذریعہ تعلیم، مغربی ذہن سے متاثر اساتذہ، مخلوط تعلیم، ٹیوشن......وغیرہ وغیرہ) ان کا بھی وطیرہ بن گیا۔

☆ اسلامی کی سیاسی تعبیر کے علمبردار لوگ دین کی تعبیر اس طرح کرتے ہیں کہ سیاسی کام ہی اصل دین اور کُل دین نظر آتا ہے اور سیاست ایسا محور محسوس ہوتی ہے جس کے گرد دین کی ساری مشینری گھومتی ہے مثلاً وہ دین کی تشریح نظام زندگی کے طور پر کرتے ہیں، اللہ کے معنی مطاع کے کرتے ہیں، آنحضرت ﷺ کی زندگی کو تحریکی زندگی ثابت کرتے ہیں، انبیاء کا مقصدِ بعثت اقامت دین اور قیام ریاست اسلامی قرار دیتے ہیں۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب نظام کی تبدیلی کو روکنا اور ان کی مظلومانہ شہادت کو حق و باطل کی جنگ قرار دیتے ہیں۔ انسان کو عبد کی بجائے اللہ کا خلیفہ قرار دیتے ہیں۔ مسلم تاریخ کو سیاہ ثابت کرتے ہیں کیونکہ وہاں اقتدار علماء کے ہاتھ میں نہیں تھا اور ''جمہوریت'' نہیں تھی، تجدیدی نقطۂ نظر سے صلحائے امت اور مجددین کے کام کو ناقص قرار دیتے ہیں......وغیرہ وغیرہ۔ ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ ان تحریکوں کے کارکن نبی کریم ﷺ کے بعد صرف اپنے قائدین کے فہم دین ہی کو صحیح سمجھتے ہیں اور دوسرے دینی کاموں یا دوسرے کسی منہج سے دینی کام کرنے والوں کو اگر کافر و گمراہ نہ بھی کہیں تو ناقص، غیر اہم اور نا قابل التفات بہر حال سمجھتے ہیں۔

عالم عرب میں الاخوان المسلمون اور برصغیر میں جماعت اسلامی (اور اس کی ذیلی

Marfat.com

تنظیمیں) اور اس سے پھوٹنے والی تنظیمیں (جیسے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تنظیم اسلامی اور نعیم صدیقی صاحب کی تحریک اسلامی، نیز حزب التحریر اور خلافت کی علم بردار تحریکیں دین کی اسی سیاسی تعبیر کی علمبر دار ہیں۔

☆ دین کے متوازن تصور میں انفرادی و اجتماعی تمام اعمال میں آخرت کی فکر غالب و موثر ترین عامل کے طور پر کام کرتی ہے جبکہ دین کی اس سیاسی تعبیر میں ''دنیا کی فکر'' تمام اعمال وسرگرمیوں کا مرکز ومحور قرار پاتی ہے۔

☆ سیاسی جدوجہد کو بنیادی ترجیح بنانے کے نتیجے میں ان تحریکوں کے سامنے فرد کی اصلاح اور انسان سازی کے کام کی اہمیت نہ رہی چنانچہ تعلیم وتزکیہ جو جمہور کے اسلام میں پہلی اور بنیادی ترجیح تھے، ان تحریکوں کی پہلی اور بنیادی ترجیح نہ بن سکے (ان تحریکوں کے لوگوں نے جو تعلیمی ادارے قائم کر رکھے ہیں وہ اکثر وبیشتر کاروباری ادارے ہیں)۔

☆ دعوت واصلاح اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام بھی ان تحریکوں کے نزدیک بنیادی اہمیت حاصل نہ کرسکا جس کے نتیجے میں معاشرے کی اصلاح نہ ہوسکی۔ انسان سازی اور دعوت واصلاح کے کام کو ترک کرنے کا نقصان خود ان تحریکوں کو بھی ہوا کہ وہ عوام اور علماء کی حمایت حاصل نہ کرسکیں۔ اور ریاستی سطح پر اسلامی قوانین بنوا کر جو کامیابی انھوں نے حاصل کی تھی وہ بھی غیر موثر ہوگئی کیونکہ ریاستی اداروں میں براجمان افراد اور عدلیہ اور بیوروکریسی ان قوانین پر دل سے عمل کرنا ہی نہیں چاہتی تھیں اور نہ انھوں نے کیا چنانچہ اسلامی قوانین کتابوں میں لکھے رہ گئے اور ان پر عمل درآمد کی فضا ہی نہ بن سکی۔

ہنرش نیز بگو

تاہم یہ ناانصافی ہوگی کہ ان جدید اسلامی تحریکوں کی جدوجہد کے جو مفید نتائج نکلے ان کا ذکر نہ کیا جائے مثلاً:

ا۔ ان کا کام جدید تعلیم یافتہ لوگوں کو اسلام کے قریب لانے کا سبب بنا کیونکہ وہ ان کی ذہنی سطح

Marfat.com

کے مطابق تھا اور جدید اسلوب کا حامل تھا۔

۲۔ آئین اور قوانین کو اسلامی بنانے کے سلسلے میں ان کی جدوجہد ثمر آور ثابت ہوئی۔

۳۔ بعض پہلوؤں سے شعوری یا غیر شعوری طور پر مغربی تہذیب کے اثرات قبول کرنے کے باوجود ان تحریکوں نے مغربی تہذیب کو رد کرنے اور اس کا عملی جواب دینے کی کوشش کی جس کی بنا پر مغربی استعمار آج بھی ان کو ناکام دیکھنا چاہتا ہے اور انہیں اپنے لیے خطرہ سمجھتا ہے۔

Marfat.com

فصل سوم

اسلام اور جہاد

اسلام میں جہاد کا مقام بلند ترین ہے جیسے قلعے کا بلند ترین مقام یا پہاڑ کی چوٹی...... یہ تشبیہ خود نبی اکرم ﷺ نے دی ہے [1] جن سے بڑھ کر اسلام کا سمجھنے اور سمجھانے والا کون ہوگا؟

لغوی لحاظ سے جہاد کا مطلب ہے جدوجہد کرنا اور بطور اصطلاح اس سے مراد ہے اسلام کی بقاء، استحکام، نشرواشاعت، نفاذ اور سربلندی کے لیے عملی جدوجہد کرنا۔ گویا غیر مسلموں تک دین کی دعوت پہنچانا، مسلمانوں کی اصلاح کے لیے تبلیغی و تربیتی کوششیں کرنا اور ان کاموں کے لیے تقریر، تحریر، سفر اور مال خرچ کرنا سبھی جہاد میں شامل ہیں۔ تاہم اس کی آخری، انتہائی اور اعلیٰ ترین صورت یہ ہے کہ مسلمان مذکورہ مقاصد اور شہادت حق کے لیے اپنی جان بھی قربان کر دے۔ غیر مسلموں کے ساتھ قتال کے اسی آخری درجے کی دو معروف صورتیں ہیں، ایک دفاعی جہاد اور دوسرے اقدامی جہاد۔ دفاعی جہاد وہ ہے جس میں اہل کفر، اسلام اور مسلمانوں کو مٹانے کے لیے حملہ آور ہوں اور مسلمانوں کو اپنے وجود کی بقاء کے لیے لڑنا پڑے۔ اور اقدامی جہاد وہ ہے جس میں مسلمان کسی ایسی کافر حکومت کے خلاف ہتھیار اٹھائیں جو اپنے عوام کے فہم اسلام میں مزاحم ہو اور اس حملے سے مسلمانوں کے پیش نظر اس رکاوٹ اور مزاحمت کو ختم کرنا ہو، نہ کہ محض توسیع سلطنت یا لوٹ مار یا ان کو مسلمان بنانا کیونکہ قرآن حکیم میں جبر و اکراہ کے ساتھ کسی کو مسلمان بنانے کی واضح مذمت موجود ہے۔

---

[1] سنن ترمذی، کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة

Marfat.com

ظاہر ہے کہ جہاد بصورت دعوت واصلاح امت مسلمہ کا بنیادی فریضہ ہے کیونکہ ختم نبوت کے بعد اب یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ غیروں اور اپنوں تک دین پہنچائے۔ جہاں تک قتال کے مرحلے میں دفاعی جہاد کا تعلق ہے تو اسلام ہی نہیں دنیا کا ہر مذہب اور ہر قانون، یہاں تک کہ امن عالم کے لیے مغربی ممالک کی قائم کردہ ''اقوام متحدہ'' کا چارٹر بھی اپنی جان، مال، عزت، عقیدے، گھر اور ملک کی مدافعت کا حق انسان کو دیتا ہے لہٰذا دفاعی جہاد کی شریعت اور اس کے جواز کے بارے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔ جہاں تک اقدامی جہاد کا تعلق ہے وہاں بھی مقصود چونکہ کشور کشائی، مال غنیمت، انتقام، کسی مخالف نظریے کا خاتمہ یا اپنا نقطۂ نظر کسی پر زبردستی ٹھونسنا نہیں بلکہ محض دعوت حق کے لیے ایک رکاوٹ دور کرنا ہے لہٰذا وہ بھی ناگزیر نہیں بلکہ کوئی بھی غیر مسلم حکومت اس طرح کی مفاہمت کے لیے بآسانی مسلمانوں سے صلح کرسکتی ہے کہ اسلام کے حوالے سے وہ اپنا معاندانہ رویہ ترک کردے گی۔ ویسے بھی مسلمان اس وقت دنیاوی لحاظ سے اتنے کمزور ہیں کہ وہ کسی پر حملہ کرنے کی پوزیشن ہی میں نہیں۔ لہٰذا اسلام میں جہاد کوئی ہوّا یا دہشت گردی نہیں جیسا کہ مخالفین اس وقت نے مشہور کر رکھا ہے۔

جہاد اور دہشت گردی

مسلمانوں کے کمزور، نہتا اور مغرب کے لیے کوئی حقیقی خطرہ نہ ہونے کے باوجود طاقتور اور مسلح مغرب کیوں اسلام اور خصوصاً اس کے نظریۂ جہاد کو ہوّا اور دہشت گردی بنا کر پیش کر رہا ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے حالات کا معروضی مطالعہ ضروری ہے۔

اِس وقت مسلم امت کی حالت یہ ہے کہ وہ زوال سے نکلنے کی کوشش کر رہی ہے لہٰذا اس کی جہادی کوششوں کا زیادہ تر مصرف مسلمانوں کے اندر دعوت واصلاح اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کام ہے تاکہ وہ دنیا میں اپنا مقام پہچانیں اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں۔ اسلام سے سچی وابستگی اختیار کریں اور اللہ کی بندگی اور اطاعت کا حق ادا کریں۔ موجودہ حالات میں کہ وہ دنیا میں کمزور، دبے اور پسے ہوئے ہیں یہاں تک کہ وہ غیر مسلموں تک موثر انداز میں دین کی

Marfat.com

دعوت پہنچانے کے بھی اہل نہیں تو ان حالات میں اقدامی جہاد کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے؟ البتہ طاقت ور مغرب اپنے حلیفوں کے ساتھ مل کر اسلام اور مسلمانوں کو دبانے اور مٹانے پر ضرور لگا ہوا ہے تا کہ وہ سر نہ اٹھا سکیں اور مضبوط نہ ہو سکیں لہٰذا بعض جگہ مسلمانوں کو دفاعی جہاد ضرور کرنا پڑ رہا ہے۔ اور چونکہ وہ دینی لحاظ سے کمزور ہونے کے ساتھ دنیوی وسائل کے لحاظ سے بھی کمزور اور ناتواں ہیں لہٰذا یہاں بھی ان کو مشکلات اور مصائب کا سامنا ہے اور ان کا زیادہ جانی و مالی نقصان ہو رہا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ دو اڑھائی صدی پیشتر مسلمان معاشرہ جب کمزور ہوا اور مغرب میں عیسائی یورپی طاقتوں نے زور پکڑا تو انھوں نے پہلے تو سازشوں سے مسلمانوں کو منتشر اور مزید کمزور کیا اور پھر ان کو شکست دے کر ان کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کو مغرب نے کچلا، خوب لوٹا اور ساتھ ہی ان کا سیاسی، معاشی، قانونی، تعلیمی اور معاشرتی ڈھانچہ توڑ کر تباہ و برباد کیا اور اپنے نظامِ حیات اور طرز زندگی کے مطابق اس کی تشکیل نو کر کے اسے وہاں جبراً نافذ کیا تا کہ مسلمان مستقبل میں مزاحمت کرنے اور ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے کے قابل نہ ہو سکیں۔ لیکن اسلام بڑا سخت جان ہے اور اور بدترین اور کمزور ترین حالات میں بھی مسلمانوں کے اندر سے نکلتا نہیں اور نہ اس کا مزاج محکومی اور ظلم و جبر کو قبول کرتا ہے لہٰذا مغرب کی ساری کوششوں کے باوجود مسلم معاشرے نے مزاحمت اور دفاعی جہاد جاری رکھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت نے خود مغربی معاشرے کے مختلف عناصر کو باہم لڑا کر کمزور کیا اور دوسری جنگ عظیم کے بعد مسلمان علاقوں کی اکثریت آزاد ہو گئی۔ تاہم ان دو صدیوں کی غلامی میں پلوں کے نیچے سے بہت سا پانی بہہ چکا تھا۔ مغرب نے ان کا متحدہ سیاسی نظام ''خلافت'' ختم کر دیا تھا اور جن علاقوں کو اس نے آزادی دی انھیں چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تقسیم کر دیا۔ چنانچہ آج مسلم امت چھوٹی بڑی ۵۷ ریاستوں پر مشتمل ہے۔ پھر استعمار نے مسلمان ممالک سے جاتے ہوئے اقتدار ان قوتوں کو منتقل کیا جو مغربی طرز کی تعلیم و تربیت کے نتیجے میں اس کی فکر و تہذیب کی رسیا تھیں۔ ان حالات کی وجہ

❶ سنن ترمذی، کتاب

سے امت آج متحد ہونے کی بجائے منتشر ہے اور عوام اور حکمرانوں میں فاصلہ ہونے کی وجہ سے داخلی استحکام سے بھی محروم ہے لہٰذا اس کی دنیاوی ترقی کی رفتار بھی کم اور سست ہے۔

مسلمانوں کا دبا کر رکھنے کی ساری مغربی کوششوں کے باوجود بعض مسلم ممالک کچھ طاقتور ہو گئے اور بعض نے اسلامی طرز حیات کو اپنانے میں کچھ کامیابی حاصل کر لی۔ اس لیے مغرب (جس کی سربراہی آج کل امریکہ کے پاس ہے) یہ برداشت نہ کر سکا اور یہود و ہنود کے تعاون سے اس نے اہم مسلم ممالک پر دوبارہ حملے شروع کر دیے۔ چنانچہ پہلے حیلے بہانے عراق کو تباہ کیا، پھر افغانستان اور لیبیا کو اور اب شام کے خلاف مہم جاری ہے۔ پاکستان کے خلاف سازشیں اور اس پر حملے ہو رہے ہیں اس کے باوجود کہ امریکہ نے یہاں اپنی مرضی کی حکومت قائم کر رکھی ہے جو اس کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہی ہے۔ لیکن ظاہر ہے جب مسلمانوں نے غلامی کی حالت میں بھی اور دنیاوی وسائل سے بالکل محروم ہوتے ہوئے بھی مغربی غلبے کو قبول نہیں کیا تھا تو آج وہ کیسے مغربی استعمار کو قبول کر سکتے ہیں جبکہ آج ان کی ذہنی، نفسیاتی اور دنیاوی حالت دورِ غلامی سے کہیں بہتر ہے اور وہ آزادی کا مزہ بھی چکھ چکے ہیں، لہٰذا وہ مغرب کی بھرپور مزاحمت کر رہے ہیں۔ مغربی طاقتیں، خصوصاً امریکہ، اس صورت حال پر بہت بھنایا ہوا ہے اور مغرب کا طاقتور میڈیا مسلمانوں کو دہشت گرد قرار دے رہا ہے۔ مسلمان ممالک کا نظام تعلیم بدلا جا رہا ہے، اسلام کا ایک روشن خیال ایڈیشن اور اعتدال پسند ورژن ابھارا جا رہا ہے، جہاد کے اسباق نصابات سے نکالے جا رہے ہیں، گوسفندانہ قسم کا تصوف اچھالا جا رہا ہے۔ دینی مدارس کا ناطقہ بند کیا جا رہا ہے، پرائیویٹ سیکٹر کو ریڈیو، کیبل اور ٹیلی وژن چینلز کھولنے کے لائسنس بسہولت دیے جا رہے ہیں اور ان کے ذریعے فحاشی اور عریانی کو عام کیا جا رہا ہے۔ غرض بے شمار اقدامات کیے جا رہے ہیں اور ان سب سے امریکہ اور یورپ کے پیش نظر یہ ہے کہ اہل مغرب کی بالادستی اور اسلام مخالف تہذیب مغرب کے خلاف مسلمانوں کا جذبہ مزاحمت ختم کر دیا جائے۔

ان حالات میں کہ جب مسلمان حکومتیں کمزور، بزدل اور ایمانی حرارت سے عاری ہیں اور

Marfat.com

مزاحمت نہیں کر رہیں یا نہیں کر پا رہیں تو عوامی مزاحمت نے راہ پالی ہے اور عوامی جہادی تنظیمیں منظم ہوگئی ہیں اور انھوں نے مزاحمت کے لیے گوریلا جنگ شروع کر دی ہے۔ چونکہ اس طرح کی گوریلا جنگ اور عوامی مزاحمت کو شکست نہیں دی جا سکتی، اس لیے امریکہ اور مغرب مزید تلملا رہے ہیں۔

ان حالات میں جہاد اور مجاہدین کی حمایت بجا اور ضروری لیکن جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ افراط وتفریط سے کام لیتے ہیں چنانچہ عوامی جہادی تنظیموں نے جہاد پر زور دینے کے لیے اور نوجوانوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے جو جہادی لٹریچر تیار کیا ہے اور جو جہادی کلچر متعارف کروایا ہے اس میں انھوں نے مبالغے سے کام لیتے ہوئے ایک مخصوص 'جہادی اسلام' کے تصور کو فروغ دیا ہے۔ یہ تصور تبلیغی اور اصلاحی دینی کوششوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔ قرآن وسنت کی بہت سے نصوص کی تشریح کھینچ تان کر جہادی نقطۂ نظر سے کرتا ہے اور دین کے دوسرے شعبوں میں کام کو غیر اہم اور غیر ضروری قرار دیتے ہوئے صرف جہادی اسلام کو حقیقی اسلام کے طور پر پیش کرتا ہے۔

جہاد اور نفاذ شریعت

جہاد بمعنی قتال کے جس پہلو کا ہم ابھی تک ذکر کر رہے تھے وہ حملہ آور کفار کے خلاف مزاحمتی یا مدافعتی جہاد کا تھا۔ جہاد کی ایک قسم وہ بھی ہے جسے غیر صالح مسلم حکومت کے خلاف خروج کہا جاتا ہے۔ یہ مسلمانوں کی نالائقی اور بدقسمتی ہے کہ مغرب اسے بھی مسلم ممالک کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کر رہا ہے خصوصاً پاکستان میں۔ یہاں ضرورت اس بات کی محسوس ہوتی ہے کہ عمومی اور اصولی بات کرنے کی بجائے پاکستان کے تناظر میں جو فی الواقع صورت حال ہے، اسے پیش نظر رکھ کر معاملے کا جائزہ لیا جائے۔

افغانستان میں پہلے روس نے حملہ کیا اور وہاں کٹھ پتلی حکومت قائم کر لی چنانچہ افغان عوام نے روس کے خلاف جہاد منظم کیا اور پاکستان اور مسلم ممالک کے علاوہ اہل مغرب نے اپنے

Marfat.com

مخصوص مفادات کی خاطر ان کی مدد کی اور روس کو شکست ہوگئی۔ پھر طالبان نے وہاں ٹھیٹھ اسلام نافذ کرنا شروع کیا اور مغرب کی مدد لینے اور اس کی چالوں میں آنے سے انکار کیا تو مغربی تہذیب کے سرخیل امریکہ کو (جو روس کی شکست کے بعد دنیا کا واحد نمبردار اور سپر پاور بن گیا تھا) یہ صورت حال گوارا نہ ہوئی اور امریکہ پر 9/11 کے فضائی حملے کو بنیاد بنا کر (جس کے بارے میں ایک مضبوط اور مدلل نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حملہ سی آئی اے اور موساد نے ایک حکمت عملی کے تحت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کئی نوع کے اقدامات کرنے کے لیے خود کرایا تھا) یورپی قوتوں (نیٹو) کو ساتھ ملا کر افغانستان پر حملہ کر دیا اور وہاں طالبان کی اسلامی حکومت کو ختم کر دیا۔ افغان طالبان نے مزاحمت جاری رکھی اور گوریلا جنگ شروع کر دی چنانچہ امریکی و نیٹو افواج پچھلے دس سال سے وہاں افغان طالبان کی مزاحمت کو کچلنے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اس کے لیے انھوں نے پاکستان میں ایک گماشتہ فوجی حکومت بزدل پرویز مشرف کی سربراہی میں قائم کی جس نے افغان طالبان کو کچلنے میں امریکہ اور نیٹو کا ساتھ دیا اور اس کے بعد زرداری اور نواز شریف کی قیادت میں سول حکومتیں بھی امریکی مرضی کے مطابق کام کر رہی ہیں۔

اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ پاکستان کے شمال مغربی پہاڑی علاقے جو افغانستان کے ساتھ ملحق ہیں اور افغانیوں کے ساتھ مذہب کے علاوہ زبان، قبیلے، نسل اور ثقافت کا اشتراک رکھتے ہیں وہ (پہلے روسی اور اب امریکیوں کے خلاف) جہاد میں افغان طالبان کے ساتھ تھے وہ ان کی مدد کرتے تھے اور ان کے ساتھ مل کر لڑتے تھے اور اس علاقے سے پاکستانی اور دیگر مسلم ممالک کے پرائیویٹ طور پر جہاد کے لیے آنے والے افراد شامل ہوتے تھے۔ امریکہ نے اس صورت حال سے نمٹنے کے لیے حکومت پاکستان کو مجبور کیا کہ وہ ان کو کنٹرول کرنے کے لیے وہاں فوج بھیجے ورنہ وہ خود وہاں مداخلت کرے گا۔ حکومت پاکستان نے وہاں فوج کشی کی جس سے پاکستانی طالبان کے کئی گروپ وجود میں آئے اور انھوں نے افواج پاکستان کے خلاف یہ کہہ کر جنگ شروع کر دی کہ یہ امریکیوں کے ساتھی ہیں اور ان کے خلاف جہاد جائز ہے۔ ان کا دوسرا مطالبہ یہ

Marfat.com

تھا کہ ان کے علاقے میں شریعت نافذ کی جائے جو ظاہر ہے حکومت پاکستان نے ان کی خواہش کے مطابق نہیں کی۔

9/11 اور افغانستان پر حملے کے پیچھے جو طویل المدت حکمت عملی امریکہ اور صہیونیوں کے پیش نظر تھی اس میں افغانستان کے ساتھ ساتھ پاکستان کو کمزور کرنا، توڑنا، اس کی نیوکلیئر پاور کی حیثیت ختم کرنا اور اس میں اسلام نافذ نہ ہونے دینا بھی ان کے پیش نظر تھا۔ چنانچہ امریکہ نے بھارت، اسرائیل اور روس وغیرہ کو ساتھ ملا کر افغانستان میں اپنی موجودگی سے فائدہ اٹھایا اور پاکستانی طالبان کے نام پر اپنے گروپ کھڑے کیے اور دوسرے گروپوں میں اپنے آدمی داخل کر کے ان کے ذریعے اسلحہ اور پیسہ دینا شروع کیا اور پاکستان میں دہشت گردی کی کارروائیاں شروع کرا دیں، پاکستانی فوج کو ان جہادیوں سے لڑایا، بعض سیاسی جماعتوں کو ساتھ ملا لیا، میڈیا میں پیر جمائے اور اندرون ملک بھی خلفشار پھیلایا اور معاشی تباہی کے ساتھ ساتھ پاکستان میں سیاسی و معاشرتی عدم استحکام بھی پیدا کیا اور یوں پاکستان اس وقت تباہی کے دہانے پر کھڑا ہے۔

مسلح جدوجہد کے ذریعے نفاذ شریعت کے حوالے سے یہاں کچھ باتیں اور بھی اہم ہیں:

۱۔ صدر اول میں حضرت حسین ابن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی قوت سے انقلاب لانے میں ناکامی اور مظلومانہ شہادت کے بعد امت کے علماء و صلحاء کا یہ رجحان ہوا کہ مسلم حکومتوں کا حریف بننے کی بجائے تعلیم و تربیت کے شعبوں میں محنت کی جائے اور حکمرانوں کو انذار و نصیحت تک محدود رہا جائے اور فقہاء نے یہ قاعدہ وضع کیا کہ اگر کوئی حکمران قرآن و سنت کی رو سے مستحق عزل بھی ہو جائے تو اس وقت تک اس کے خلاف عملی قدم نہ اٹھایا جائے جب تک کامیابی کے بہت واضح امکانات نہ ہوں۔ چنانچہ امت کی تاریخ میں دینی قوتوں کی طرف سے دینی مقاصد کے لیے مسلح انقلاب کی منظم کوشش اس کے بعد کوئی شاذ و نادر ہی ملتی ہے اور جمہور کا عمومی رویہ کفِ ید اور انذار و نصیحت رہا ہے۔

۲۔ پاکستان میں پرامن طریقے سے انتقال اقتدار کا راستہ کھلا ہے اور حکومتیں تبدیل ہوتی رہی

Marfat.com

ہیں۔ دینی سیاسی جماعتیں اگر کامیاب نہیں ہوئیں تو یہ ان کی نالائقی ہے کہ وہ عوام کو نفاذ شریعت کے پروگرام میں اپنے ساتھ نہیں ملا سکیں اور اپنے راستے کی رکاوٹیں دور نہیں کر سکیں۔

۳۔ وہ دینی عناصر جو جہادی اسلام کے علم بردار ہیں انھوں نے پاکستانی معاشرے میں فرد کی تعلیم و تربیت، اسلامی تناظر میں اس کی تعمیر شخصیت و کردار اور اصلاح معاشرہ کے لیے کوئی نمایاں جدوجہد نہیں کی اور نہ منکرات، ظلم، ناانصافی، کرپشن، لوٹ کھسوٹ، عریانی و فحاشی، اغوا برائے تاوان، رسہ گیری، بھتہ خوری، حرام کاری اور رشوت وغیرہ کے خلاف کبھی موثر پُرامن جدوجہد کی ہے جس کے بعد ان کے پاس جواز ہوتا کہ گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلتا تو انگلیاں ٹیڑھی کر کے نکالا جائے۔

اس بات سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جاسکتا کہ آج ریاست جتنی طاقتور ہے اور بری، فضائی اور بحری افواج اور رینجرز، ایف سی، پولیس وغیرہ جیسی سیکیورٹی فورسز کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی مسلح گروپ ان کو شکست دے کر ملک پر قابض ہو جائے اور اپنی مرضی کا نظام قوت سے نافذ کر دے۔ ہاں! اس کوشش سے عوام میں خوف و ہراس ضرور پیدا کیا جاسکتا ہے اور ملک کو معاشی، سیاسی اور معاشرتی لحاظ سے کمزور ضرور کیا جاسکتا ہے جس کے نتیجے میں وہ بالادست مغربی قوتوں کا مزید غلام ہو جائے۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ پاکستانی طالبان جیسے جہادی گروپوں میں ایسے علماء و صلحاء کی شدید کمی ہے جو رسوخ فی العلم اور تقویٰ رکھتے ہیں۔ ان کے کسی قائد کے بارے میں آتا ہے کہ وہ پہلے ڈرائیور تھا اور کسی کے بارے میں آتا ہے کہ مدرسے سے ابتدائی جماعتوں کے بعد بھاگ گیا تھا تو ان کی علمیت و فراست مشکوک ہو جاتی ہے۔

پھر یہ کہ انہیں کفار کے خلاف لڑنا چاہیے تھا جو آج بھی ان پر ڈرون حملے کر رہا ہے اور اس

Marfat.com

کی فوجیں قریب ہی موجود ہیں لیکن انھوں نے پاکستان کے خلاف لڑنے کو اپنا سب سے بڑا مقصد بنا لیا ہے اور اس طرح بالواسطہ طور پر وہ امریکی اور بھارت کے مقاصد واہداف پورے کر رہے ہیں اور پاکستان کو توڑنے میں ان کا ساتھ دے رہے ہیں۔ القاعدہ کے بارے میں بہت سے مغربی اور مسلم سکالرز کی اس طرح کی تحقیقات بھی سامنے آ رہی ہیں کہ وہ (یا کم از کم اس کے بعض عناصر) امریکہ سے ملے ہوئے ہیں اور اس کے مقاصد کے لیے کام کر رہے ہیں۔

ان حالات میں طالبان پاکستان یا دیگر گروپوں کی نفاذ شریعت یا حمایت امریکہ کے الزام میں حکومتِ پاکستان کے خلاف جہاد اور عوام کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں کی جو شرعی حیثیت باقی رہ جاتی ہے وہ نہایت مخدوش ہے۔ اس کے باوجود مسلمان عوام اور جمہور علماء اگر ان مجاہدین کے بارے میں حسنِ ظن یا ان سے ہمدردی رکھتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمران فی الواقع شریعت نافذ نہیں کرنا چاہتے اور وہ امریکہ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ ملک میں دین سے دوری، اخلاقی انارکی، کرپشن، لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ناانصافی عام ہے، دینی سیاسی جماعتیں ڈیلیور نہیں کر سکیں اور عوام اور علماء کو حالات کے سدھار کے لیے کہیں سے روشنی کی کرن نظر نہیں آ رہی۔

ان حالات میں ہماری رائے میں انسب یہی ہے کہ پاکستانی معاشرے کو اسلام اور شریعت پر عمل کے لیے قتال کی نہیں پر امن جہاد یعنی دعوت و تبلیغ، تزکیہ و تربیت اور سیاسی، معاشی اور معاشرتی اصلاح کی ضرورت ہے اور اس کے لیے کام کرنے کے راستے کھلے ہیں لہٰذا ان مقاصد کے لیے پاکستان میں مسلح جدوجہد اور قتال کا رویہ غیر موزوں اور غیر مطلوب ہے، اس سے جمہور علماء بھی متفق نہیں، اس کی کامیابی کا بھی کوئی امکان نہیں، اس سے کفار کی بالواسطہ حمایت بھی ہو رہی ہے اور پاکستان اور مسلم معاشرہ بھی کمزور ہو رہا ہے۔

Marfat.com

فصل چہارم

تبلیغ اصلِ دین ہے

اللہ تعالیٰ نے جب فیصلہ کر لیا کہ محمد ﷺ آخری رسول ہیں اور سارے عالم کے لیے رسول ہیں تو لامحالہ اب بعد کے زمانے میں آنے والے لوگوں کی ہدایت کے لیے کوئی انتظام کرنا ناگزیر تھا چنانچہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے امت محمد ﷺ کو دوسروں تک دین کی دعوت پہنچانے کی ذمہ داری سونپی اور اور اسے مشنری اور داعیانہ کردار ادا کرنے کی تلقین کی۔[1] خود نبی کریم ﷺ نے امت کو اس کی تلقین کی اور یہاں تک فرمایا کہ مجھ سے سنی بات آگے پہنچاؤ خواہ ایک آیت ہی کیوں نہ [2]۔ الحمدللہ! امت نے یہ کردار ادا کرنے کی ہمیشہ کوشش کی اور نہ صرف پیار، محبت، اخلاقی قوت اور پرامن ذرائع سے دین کی نشر و اشاعت اور دین کی دعوت دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کیا بلکہ جن غیر مسلم حکومتوں کو اس کام میں مزاحم پایا ان کی بالادستی اور جارحانہ قوت بھی ختم کرنے کی کوشش کی جس کی بہترین مثال جہاد و قتال کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا روشن کردار ہے۔

دعوت دین کا ایک پہلو تو غیر مسلموں تک دین پہنچانے کا ہے اور دوسرا پہلو خود مسلمانوں کو بھی دین سکھانے کا ہے کیونکہ بہت سے مسلمان دینی تعلیمات سے کما حقہ واقف نہیں ہوتے اور ایسے بھی بہت سے ہیں جو دین کو جانتے تو ہیں لیکن اس پر عمل نہیں کرتے۔ ایسے مسلمانوں کو بھی تذکیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ دعوت و تبلیغ دین کا یہ فریضہ مسلمان حکومتوں کی ذمہ داری بھی ہے[3]

[1] آل عمران ۳:۱۰۶، ۱۱۰۔ [2] صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب ماذکر عن بنی اسرائیل
[3] الحج ۲۲:۴۱

Marfat.com

اور عام مسلمانوں کی بھی۔ چنانچہ جن مسلم حکومتوں کو اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ بھی یہ کام کرتی رہی ہیں (خصوصاً اس عہد میں جب مسلمان غالب و طاقتور تھے) اور آج کل بھی سعودی عرب کی حکومت، بطور استثناء ہی سہی، اس غرض سے کافی فنڈز مختص کرتی ہے لیکن عام مسلمان (خصوصاً علماء وصوفیا) بھی ہمیشہ دعوت دین کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ دنیا میں کئی خطے ایسے ہیں جہاں کوئی مسلم حکمران یا فاتح نہیں پہنچا یا بلکہ مسلمان تاجروں اور صوفیوں نے وہاں کے باشندوں کو مسلمان بنایا۔ ان میں دنیا کی سب سے بڑی مسلم ریاست انڈونیشیا بھی شامل ہے اور خود برصغیر پاک و ہند میں بھی اسلام زیادہ تر صوفیوں کے ذریعے ہی پھیلا ہے۔

اسلام میں دعوت و تبلیغ کی اس اہمیت اور مستحکم مسلم روایت کے پیش نظر آج اگر کوئی مسلمان دعوت و تبلیغ کا کام کرتا ہے یا مسلمان اس غرض سے کوئی جماعت یا ادارے بناتے ہیں تو ظاہر ہے یہ مطلوب و محمود ہے اور اس کام کے نیک اور قابل تحسین ہونے کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں لیکن ہمارے عہد میں جو تنظیمیں اور ادارے یہ کام کر رہے ہیں ان میں سے بعض کا کام تصور دین میں افراد و تفریط کی وجہ سے غیر متوازن ہو چکا ہے۔ ہم ان میں سے صرف دو تنظیموں کے کام کا ذکر یہاں کریں گے لیکن یہ ذہن میں رہے، جیسا کہ ہم نے اس کتابچے کے پیش لفظ میں بھی عرض کیا ہے، کہ اس تحریر سے ہمارا مقصود کسی جماعت، تنظیم یا ادارے کی تنقیص و مذمت نہیں بلکہ محض دین کے ایسے تصورات (versions) کی نشان دہی ہے جو ہماری رائے میں غیر متوازن ہیں لہٰذا اس تحریر کو اسی پس منظر میں دیکھا جائے۔

برصغیر پاک و ہند سے ابھرنے والی تبلیغی تحریک، جس کا نام اس کے کام کی وجہ سے ہی "تبلیغی جماعت" پڑ گیا ہے، کا بنیادی ہدف مسلمان ہی ہیں۔ اس تحریک کا طریق کار یہ ہے کہ:

☆ یہ عام آدمیوں کو ان کے کام کاج اور دیگر مصروفیتوں سے نکال کر اپنے ماحول میں کھینچ لیتی ہے تا کہ وہ دین سیکھ سکیں۔ اور یہ کام اس تحریک کے قائدین اور کارکنان کسی جگہ مقیم ہو کر نہیں کرتے بلکہ اس کے کارکن تبلیغ کے لیے ہمیشہ پا بہ سفر رہتے ہیں اور اس تحریک کے

Marfat.com

دوران ہی نئے آنے والے دین سیکھتے ہیں اور پھر خود داعی بن جاتے ہیں۔

☆ تحریک کی دعوت دین کے چھ بنیادی نکات پر مبنی ہے جو یہ ہیں:
کلمہ طیبہ، نماز، علم وذکر، اکرام مسلم، اخلاص اور دعوت وتبلیغ

☆ اس کے علاوہ بھارت کے ممتاز علم دین شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مرحوم کی تالیفات خصوصاً ان کی کتاب ''فضائل اعمال'' گویا اس دعوتی تحریک کی بنیادی کتاب اور تبلیغی نصاب ہے۔

☆ اس جماعت کی دعوت سادہ انداز میں بنیادی دینی امور پر مبنی ہوتی ہے مثلاً لوگوں کا کلمہ درست کرانا، انہیں نماز پڑھنے اور دین کی راہ میں وقت دینے کے لیے قائل کرنا...... وغیرہ

☆ تحریک کے کارکن امر بالمعروف پر سادہ انداز میں عمل کرتے ہیں اور سیاسی ونزاعی امور اور مسلکی تفصیلات سے عموماً پرہیز کرتے ہیں، اگر چہ تحریک کی بنیاد رکھنے اور اسے چلانے والے حنفی دیوبندی مسلک کے پیروکار تھے، اب بھی ہیں اور اسی مسلک کے مدارس اور مساجد سے انہیں اب بھی بنیادی سپورٹ ملتی ہے تاہم تحریک پر فرقہ وارانہ مزاج کا غلبہ نہیں ہے۔

اس تحریک کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اس کے کام اور پیغام کے جو پہلو اصلی اور مثالی اسلام (Normative Islam) سے مطابقت نہیں رکھتے اور اس کے کام کو غیر متوازن بناتے ہیں وہ یہ ہیں:

☆ یہ تحریک دین کے اس تصور پر اصرار نہیں کرتی کہ دین زندگی کے سارے پہلوؤں کے لیے ہدایت ہے خصوصاً وہ اجتماعی زندگی کو اسلامی انداز میں گزارنے کا ذکر نہیں کرتی اور معاملات میں فرد کی دنیاوی زندگی پر بھی زیادہ اثر انداز نہیں ہوتی (سوائے بعض دینی مظاہر پر عمل کے جیسے داڑھی بڑھانا، نماز ادا کرنا اور تبلیغی دورے کرنا...... وغیرہ) یوں اس

Marfat.com

میں ایک طرح کی رہبانیت ہے جس میں عملی زندگی کے دین سے متاثر ہونے پر اصرار نہیں ہے۔اس تحریک کے پیروؤں کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ مسلمانوں کے حکمران بے دین ہیں، معیشت سود پر مبنی ہے یا میڈیا فحاشی پھیلا رہا ہے، انہیں بس لوگوں کے کلمے سیدھے کروانے، انہیں نماز پڑھانے اور انہیں تبلیغ کے لیے گھروں سے نکلنے پر آمادہ کرنے سے غرض ہے۔بعض اہل علم کے نزدیک ان کا یہ رویہ مسلمانوں میں دین و دنیا کی تفریق کو گہرا کرتا ہے اور سیکولرزم پر منتج ہوتا ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے بعض مخالفین کو جماعت کے قیام و منہج میں انگریزوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

☆ اس جماعت کے بانی چونکہ صوفی تھے اس لیے دور متاخر کے تصوف میں در آنے والی غیر اسلامی روایات کے منفی اثرات جماعت کے تصور دین میں سرایت کر گئے ہیں، جس کو محسوس کرنے اور اس سے نکلنے کی خواہش و کوشش کے کوئی بھی آثار جماعت میں نہیں پائے جاتے۔

☆ جماعت میں علم و تعلم کا پہلو بھی ناقص ہے۔دین کے مآخذ (قرآن و سنت) کی تعلیم کا اس میں کوئی اہتمام نہیں اور تبلیغی نصاب اور چند بنیادی ظاہری امور کے علاوہ دین کے دوسرے بنیادی تقاضوں اور مطالبات پر جماعت میں زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔جماعت نے داعی کی اہلیت (کوالٹی) اور صلاحیت کے پہلو کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ یہ شرعی تقاضا بھی ہے اور عقلی بھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اپنے عہد حکومت میں مذہبی رہنمائی کے لیے باقاعدہ معیار مقرر کیا تھا۔بھلا جس شخص نے قرآن اور اس کے علوم کا مطالعہ نہ کیا ہو، جس نے حدیث نہ پڑھی ہو، جو عربی زبان نہ جانتا ہو، وہ دین کا اچھا مبلغ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن چونکہ اس جماعت میں دعوتی تقریر صرف جماعت کے چھ نکات پر مبنی ہوتی ہے اور ہر جگہ ہر وقت وہی دہرائی جاتی ہے لہٰذا دینی علوم سے نابلد ایک عام تبلیغی کارکن بھی اس تقریر کو بار بار سن کر اسے دہرانے کا اہل ہو جاتا ہے لہٰذا وہ جماعت کے

Marfat.com

نزدیک داعی اور مبلغ دین بننے کا اہل ہو جاتا ہے۔

☆ جماعت کا پیغام سادہ اور مشینی انداز کا (یعنی سٹیریوٹائپ) ہے جس میں کمی بیشی کا کوئی امکان نہیں۔ ہمارے ایک عزیز (پروفیسر علوم اسلامیہ) ایک دفعہ تبلیغی جماعت کے ساتھ دورے پر گئے۔ تبلیغی گشت کے دوران انھوں نے جن لوگوں پر تبلیغ کی، انہیں توجہ دلائی کہ تم قرآن کی تلاوت کیا کرو، اسے سمجھنے کی کوشش کرو، اس کا ترجمہ سیکھو...... وغیرہ۔ واپسی پر ان کے تبلیغی ساتھیوں نے قافلے کے امیر کو جا کر شکایت کی کہ یہ صاحب تبلیغ میں غیر متعلقہ باتیں کرتے ہیں چنانچہ پروفیسر صاحب سے کہا گیا کہ انہیں وہی باتیں کہنی چاہئیں جو ہمیں بزرگوں نے تلقین کی ہیں اور جو جماعت کا معروف طریقہ ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تبلیغی جماعت میں دین کو عصری تقاضوں کے مطابق اعلیٰ علمی سطح پر پیش کرنے کا کوئی احساس نہیں ہے اور اسے تحریری انداز میں پیش کرنے کا یا علمی و تحقیقی انداز میں پیش کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ دین کا ایک عالم، محقق اور ادیب بھی اگر جماعت میں جائے گا تو دعوت کا انداز وہی رہے گا اور اس کا مواد (Content) بھی نہیں بدلے گا لیکن دعوت کا یہ غیر حکیمانہ اسلوب اور غیر سائنسی انداز اہل جماعت کی نظر میں نہیں کھٹکتا۔ اسی لیے بعض لوگ کہتے ہیں کہ جو عالم، محقق اور ادیب اس جماعت میں جاتا ہے (اول تو کوئی جاتا نہیں) وہ ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ عمل میں نہ آنے کی وجہ سے اس کی صلاحیتیں بتدریج ٹھٹھر جاتی اور دب جاتی ہیں اور اس کا مزاج اور عادتیں بھی تبلیغی جماعت کے عمومی مزاج میں ڈھل جاتی ہیں۔

☆ جماعت نے قرآن وسنت کو محور بنانے کی بجائے مولانا ذکریا رحمۃ اللہ علیہ کی جس کتاب ''فضائل اعمال'' کو اپنے کام کی بنیاد بنایا ہے اور جو ہر جگہ، ہر وقت تبلیغی دوروں میں سبقاً پڑھی جاتی ہے وہ زیادہ تر لوگوں کو نیکی پر ابھارنے اور ترغیب دلانے کے واقعات اور قصوں پر مشتمل ہے اور ان میں قرآنی آیات اور صحیح احادیث کے علاوہ کمزور وضعیف احادیث بھی خاصی ہیں۔

Marfat.com

☆ لوگوں کو طویل عرصے کے لیے ان کے کام کاج اور گھر بار سے الگ کرنا بعض دینی اور معاشرتی مسائل کو جنم دیتا ہے مثلاً جو آدمی کئی کئی ماہ کے لیے تبلیغ پر جاتا ہے اس کے بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، اس سے اخلاقی، معاشرتی اور معاشی مسائل پیدا ہوتے ہیں جن سے صرف نظر کرنا دینی لحاظ سے نقصان دہ ہے۔

☆ جماعت امر بالمعروف تو کرتی ہے لیکن اس میں نہی عن المنکر کا چلن نہیں۔ اس کی تعبیر بعض لوگ یوں کرتے ہیں کہ آدھا دین لے لو، آدھا چھوڑ دو یا جو آسان ہے اس پر عمل کرو اور جو مشکل ہے اسے بھول جاؤ۔ تبلیغ کا کام کئی دوسرے طریقوں سے بھی کیا جا سکتا ہے اور کیا جا رہا ہے لیکن تبلیغی جماعت کے کارکن صرف اپنے منہج تبلیغ ہی کو صحیح سمجھتے ہیں، اسی پر اصرار کرتے ہیں اور اسے ہی دین کی صحیح شکل سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہنا بھی شائد مبالغے پر مبنی نہ ہو کہ وہ جماعت کے کام ہی کو پورا دین سمجھتے ہیں اور صرف اسے ہی صحیح دینی طریقہ سمجھتے ہیں۔

یہ چند معروضات پیش کرنا ہمارے موضوع کا تقاضا تھا لیکن اس کے باوجود ہم کھلے دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ تبلیغی جماعت عالم اسلام کا اثاثہ ہے یہ غالباً دنیا کی سب سے بڑی تبلیغی تحریک ہے اور مغربی تہذیب کی عالمگیر مادہ پرستی اور دنیا پرستی کے مقابلے میں تبلیغی جماعت کی سادگی، روحانیت اور فقر اسلام کی اہم اقدار کا مظہر ہیں۔

عصر حاضر میں دعوت دین کی ایک دوسری تحریک جس کا ذکر ہم یہاں دین کے غیر متوازن تصور کے حوالے سے کرنا چاہتے ہیں، وہ بھارت کے عالم دین مولانا وحید الدین خان کی دعوتی تحریک ہے۔ مولانا ابتداءً جماعت اسلامی سے وابستہ تھے لیکن بعد میں اختلافات کے نتیجے میں اس سے الگ ہو گئے اور غالباً جماعت اسلامی کی جہادی اور مسلمانوں کی دنیوی فلاح پر ترکیز کرنے والی پالیسیوں کے ردعمل کا شکار ہو کر مخالف انتہا پر پہنچ گئے۔

Marfat.com

مولانا اسلام پر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، ان کا اسلوب نہایت موثر ہے اور انہیں عصر حاضر کے تقاضوں کا بھی بخوبی ادراک ہے لیکن ان کی دعوتی اپروچ ہے تبدیلی کتاب (قرآن) کے ذریعے جس میں آدمی کی اہمیت نہیں۔ وہ جہاد کے مخالف اور اہنسا کے پیروکار ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام امن کا دین ہے جو رواداری کا قائل ہے اور اخوت ومحبت کا علمبردار ہے۔ وہ ان لوگوں کے رویے کو ٹھیک نہیں سمجھتے جو اسلامی ریاست کے قیام، دین کے نفاذ اور جہاد کی باتیں کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک جہاد محض پرامن دعوت کا نام ہے اور وہ تلوار کی بجائے قلم کے جہاد کے قائل ہیں، مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح۔ اپنی اس گوسفندانہ اپروچ کی وجہ سے وہ ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں میں بہت مقبول ہیں اور ہندو اپنی تقریبات میں ان کو بحیثیت مسلم نمائندے کے بلاتے رہتے ہیں۔ وہ ہندوؤں کی اصطلاحات کے استعمال میں بھی مضائقہ نہیں سمجھتے۔ بیرونی مالی اعانت نے ان کے کام کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

پاکستان میں ان کا ہم خیال جاوید غامدی صاحب کا حلقہ ہے جو ان کا لٹریچر پاکستان میں پھیلاتا ہے لیکن غامدی صاحب کے ہاں مغرب سے مرعوبیت، تجدد اور جدیدیت کا تاثر کا زیادہ ہے۔

Marfat.com

فصل پنجم

تصوف روحِ اسلام ہے

قرآن حکیم اسلام اور مسلمانوں کا نصب العین اللہ کی خوشنودی قرار دیتا ہے اور اس کے حصول کا طریقہ بندگی قرار دیتا ہے یعنی یہ کہ فرد اپنی خوشی سے اس دنیا کی زندگی میں اللہ کی عبادت اور اس کے احکام کی اطاعت کرے۔ برضا و رغبت اللہ کی عبادت و اطاعت کی منزل تک انسان کیسے پہنچے؟ اس کا ذریعہ قرآنِ حکیم تعلیم و تزکیہ کو قرار دیتا ہے۔ یعنی تعلیمِ کتاب و حکمت کے ذریعے انسانی شخصیت کی ایسی تعمیر و تربیت کہ اللہ کی عبادت و اطاعت اس کے لیے آسان بلکہ مرغوب ہو جائے چنانچہ قرآن حکیم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی انبیاء بھیجے تھے ان کا طریق کار تزکیۂ نفوس ہی تھا۔ ❶ اور آنحضرت ﷺ کو بھی اللہ نے اسی طریقے پر عمل کا حکم دیا تھا۔ ❷

اس مختصر وضاحت سے ظاہر ہے کہ دین اسلام میں تزکیۂ نفس کی اہمیت بہت بنیادی ہے۔ لہٰذا یہ بات بالکل فطری اور منطقی ہے کہ ہر مسلمان اپنے تزکیۂ نفس کی فکر کرے اور اس کے لیے جدوجہد کرے یا مسلمان اس کے لیے باہم مل کر کوشش کریں اور کوئی ادارہ تشکیل دے لیں۔ چنانچہ صدر اسلام ہی میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اور

❶ الاعراف ۲۰۵/۷، الاحزاب ۴۲:۳۳۔

❷ سنن ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی فضل الذکر

Marfat.com

بعض دوسرے اصحاب نے مسلم معاشرے میں بڑھتے ہوئے فسق و فجور، فکر آخرت میں کمی، معاصی کی کثرت اور حب دنیا کے ترقی پذیر رجحانات سے مسلمانوں کو بچانے کے لیے اصلاحی کوششوں کا آغاز کر دیا تھا۔ شروع میں یہ لوگ زُھاد (زاہد کی جمع) اور بکّائین (فکر آخرت سے رونے والے) کہلاتے تھے۔ دوسری صدی ہجری کے آخر میں یہ لوگ صوفی (اس وجہ سے کہ یہ لوگ عیش و تنعم سے دور رہتے اور موٹا جھوٹا (صوف یعنی اون) پہنتے تھے یا یہ کہ ان کا بنیادی مقصد صفائے قلب تھا) کہلانے لگے اور ان کے طریقے کو تصوف کہا جانے لگا۔ اگلی چند صدیوں میں امت کے علماء و صلحاء کا رجحان اس طرف بہت ہوا اور لوگوں میں بھی طلب اصلاح کا رجحان اتنا زیادہ تھا کہ وسیع مسلم مملکت میں شاید ہی کوئی علاقہ بلکہ کوئی شہر اور قصبہ ایسا ہو جہاں صوفیاء کا دعوتی و تربیتی مرکز (عربی میں 'زاویہ' ترکی میں 'تکیہ' اور اردو میں 'خانقاہ') قائم نہ ہو گیا۔ اس مرکز سے مقصود یہ ہوتا تھا کہ یہاں ایک صالح عالم بطور استاد / مربی / رمزی / مرشد موجود ہو۔ لوگ باگ آبادی سے باہر پرسکون ماحول میں کچھ عرصہ چند دن (ہفتے یا سال) حسب ضرورت و گنجائش آکر یہاں رہیں جہاں ان کی رہائش اور کھانے پینے کا انتظام ہو اور وہ حوائج و ہموم دنیا سے کنارہ کش ہو کر یہاں کچھ عرصہ رہ کر دین پر عمدہ طریقے سے عمل کریں، قرآن و اخلاق سیکھیں اور شریعت کی اطاعت کا مضبوط جذبہ اور طریقہ سیکھ کر واپس جائیں تاکہ اپنی آئندہ زندگی اللہ کے احکام کے مطابق بسر کریں۔ حکمران، وزراء، رؤسا اور معاشرے کے کھاتے پیتے لوگ اس طرح کے تربیتی مراکز کی کفالت کو اپنی سعادت سمجھتے تھے چنانچہ جس طرح سارے عالم اسلام میں تعلیم کے لیے مدارس موجود تھے اسی طرح تربیت و تزکیہ کے لیے زاویے اور خانقاہیں بھی ہر جگہ موجود تھیں اور بسا اوقات تعلیم و تربیت اور مدرسہ و خانقاہ یکجا ہو جاتی تھیں کہ ابتدائی زمانے کے اکثر صوفی / مرشد دین کے باقاعدہ عالم ہوتے تھے۔

اس طریق تزکیہ کے، جسے اصطلاحاً تصوف، طریقت، حقیقت اور سلوک وغیرہ بھی کہا

Marfat.com

جاتا ہے ❶۔ دو بنیادی اصول تھے۔ ایک صحبت صالحہ یعنی ایک صالح عالم/مرشد/استاد/مربی/گائیڈ/مینٹر (mentor) یعنی راہ ہدایت بتانے والے کا وجود اور اس کی صحبت جو لوگوں کو راہ حق پر چلنے میں مدد دے۔ خانقاہ کا پاکیزہ دینی تربیتی ماحول، دنیاوی مشغولیتوں اور رغبتوں سے عارضی دوری، آبادی سے باہر کھلی پُرسکون فضا، رہائش اور کھانے پکانے کی مصروفیتوں سے فراغت نیز اس میں مریدین (اصلاح کی خواہش اور ارادہ لے کر آنے والے) یعنی طالبان تزکیہ کا اجتماع۔ یہ سب چیزیں مل کر صحبت صالحہ کی فضا قائم کرتی تھیں۔ دوسرے اللہ کا ذکر۔ ذکر کو بعض سطحی نظر رکھنے والے لوگ معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بہت وسیع اور پُرحکمت (آج کل کی اصطلاح میں سائنٹفک اور عملی (Scientific and Pragmatic)) ادارہ ہے۔ ذکر کے لغوی معنی ہیں یاد کرنا اور یاد رکھنا۔ اردو میں بھی تذکیر اور تذکرہ وغیرہ کے الفاظ مستعمل ہیں۔ گویا ذکر اللہ سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور یاد رکھنا۔ ذکر کی تین حکمتوں کی طرف ہم یہاں مختصراً اشارہ کرتے ہیں:

۱۔ اللہ کی یاد اور ذکر علاج ہے غفلت کا اور غفلت ہی انسانی معصیت کی بنیاد ہے یعنی انسان کا اپنی حیثیت بھول جانا، اپنے معبود اور خالق و مالک کو بھول جانا، آخرت کو بھول جانا اور بحیثیت عبد اپنی ذمہ داریوں سے غفلت برتنا۔ ذکر سے مقصود ہے ترکِ غفلت اور ترکِ غفلت ذریعہ ہے ترکِ معصیت کا۔

۲۔ ذکر اللہ سے جو چیز حاصل ہوتی ہے۔ وہ ہے اللہ کا استحضار اور یہ وہ چیز ہے جو ساری نیکیوں کی بنیاد اور ساری معصیتوں سے بچنے کی جڑ ہے کیونکہ انسان کو اگر اللہ مستحضر ہے تو وہ کبھی اس کی نافرمانی نہیں کرے گا اور جو نیک کام بھی کرے گا وہ اعلیٰ درجے کے ہوں گے کیونکہ اسے مستحضر رہے گا کہ اللہ دیکھ رہا ہے اور وہ اللہ کی نظر میں ہے۔

---

❶ (تصوف کی مخصوص اصطلاحات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں کہ آج بھی ہر ڈسپلن اور ہر شاخ علم و معرفت کی اپنی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں)

Marfat.com

۳۔ ذکر سے مراد کثرت ذکر ہے جیسا کہ قرآن حکیم اور نبی کریم ﷺ کی احادیث اور آپ ﷺ کے اسوہ مبارکہ سے ظاہر ہے یعنی اٹھتے، بیٹھتے ذکر، سوتے جاگتے ذکر، کھاتے پیتے ذکر اور صوفیاء نے تو ایسے طریقے ایجاد کیے ہیں کہ آدمی ہر سانس کے ساتھ ذکر کر سکتا ہے (پاسِ انفاس) اور سوتے ہوئے بھی ذکر جاری رہ سکتا ہے (لطائف کا جاری ہونا یعنی جسم کے بعض مقامات اور نقاط ادراک (Perception Points) کو خود کار (Sou Moto یا Mechanical) بنا لینا)۔ ایماء (Suggestions) یا ترغیبی اشارات والفاظ کا دہرایا جانا عصر حاضر کی جدید نفسیات میں روز مرہ کا معمول ہے اور جدید نفسیات بلکہ سائنس نے ثابت کیا ہے کہ اس کے اثرات بہت شدید ہوتے ہیں مثلاً ایک آدمی اگر ہر روز دن میں سو بار کہے کہ "میں پاگل ہوں" تو کچھ عرصے بعد ایسا شخص سچ مچ پاگل ہو جائے گا اور یہی نتیجہ اس وقت نکلے گا جب دوسرے لوگ مل کر کسی شخص کو دن میں سو بار یہ کہنے لگیں کہ "تم پاگل ہو"۔ لہٰذا جب ایک شخص ہر روز اور دن میں سو بار استغفار کرتا ہے یعنی اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتا ہے، اللہ سے گناہوں سے بچنے کا وعدہ کرتا ہے، اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کی استدعا کرتا ہے، اسے گناہ بخشنے والا سمجھتا ہے اور وہ یہ عمل ہر روز دہراتا ہے تو اس کے نتیجے میں اسے اللہ مستحضر رہتا ہے اور وہ بالفعل گناہ ترک کر دیتا ہے۔ اسی سے دوسرے کلماتِ ذکر کے اثرات و نتائج کا اندازہ کر لیجیے۔

محقق صوفیاء کے نزدیک ذکر کے تین درجے ہوتے ہیں: قال، خیال اور حال۔ قال یعنی زبان سے کہنا، خیال یعنی دل و دماغ میں ذکر کا استحضار اور پختہ ہو جانا حال یعنی اعضاء و جوارح کا اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرنے لگ جانا۔ ظاہر ہے مطلوب یہی ہے کہ ذکر حال بن جائے لیکن ذکر حال تو تب ہی بنے گا جب فرد ذکر کرے گا یعنی قال ہوگا تو حال بنے گا۔ یہی وجہ ہے کہ

Marfat.com

قرآن وسنت میں ذکر کے جو فضائل مذکور ہیں وہ قال یعنی زبان سے ذکر کرنے کے ہیں لہٰذا زبان سے کلمات ذکر دہرانے کو غیر مفید اور لایعنی سمجھنا بیوقوفی کی بات ہے اور خلاف نقل وعقل ہے۔

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں نے تصوف کے نام سے تزکیۂ نفوس کی خاطر جو ادارہ بنایا تھا اس نے کامیابی سے صدیوں تک کروڑوں لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کیا۔

تزکیہ وتربیت کے یہ مراکز صدیوں تک عالم اسلام میں مفید تربیتی خدمات انجام دیتے رہے تاہم جس طرح مسلمانوں کے دوسرے ادارے بتدریج زوال کا شکار ہوئے، یہ ادارہ (تصوف) بھی انحطاط کا شکار ہوا اور اس میں غیر اسلامی خصوصاً یونانی، ایرانی اور ہندی اثرات در آئے۔ بعض مسلم صوفیاء نے اسے فلسفہ کا رنگ دینے کی کوشش کی اور رفتہ رفتہ اس کے رسوم ورواج میں غیر اسلامی عناصر شامل ہوتے گئے۔ ہمارے عہد تک پہنچتے پہنچتے یہ ایک وراثتی کاروبار بن گیا ہے۔ جو لوگ مخلص ہیں وہ بھی لکیر کے فقیر بن گئے ہیں، علم وعقل کی روایت برائے نام باقی رہ گئی ہے اور تصوف ایک جسد بے روح بن چکا ہے لیکن اس کے نام لیوا اسے وہ اکسیر بتا کر بیچ رہے ہیں، جو یہ کبھی تھا۔

صوفی اسلام سے ہماری مراد ہے؟ دور متاخرین کا وہ تصوف جس پر زوال کی گہری چھاپ ہے، جو غیر اسلامی اثرات کا ملغوبہ ہے، جس میں ایک طرح کی رہبانیت ہے، جو قوت وشوکت اور حرکت وعمل سے محروم ہے۔ جو اپنے متبعین کو ذکر الله ھو میں مدہوش رکھتا اور ان میں دنیا کے اندر تقدم واختراع کی امنگ ختم کر دیتا ہے۔ جو نفس کشی اور دنیا سے بے رغبتی سکھاتا ہے، جو منفی انداز میں صبر وقناعت کا درس دیتا اور باطل سے کشمکش اور جہاد سے دست برداری کا جذبہ ابھارتا ہے، جو کشمکش حیات سے کنارہ کش ہو کر ذکر وفکر میں مگن ہونا سکھاتا ہے۔

صوفی اسلام، سیکولرسٹوں، اغیار اور اعدائے اسلام کو بہت بھاتا ہے۔ یہ سیاسی اسلام کی عین ضد ہے۔ اس لیے تہذیب مغرب کی علمبردار عالمی قوتیں اوران کے مقامی حاشیہ برداراس

Marfat.com

تصوف کی بہت حمایت کرتے ہیں۔اس میں آفاقیت، انسانی مساوات، اخوت ومحبت، سارے مذاہب کے متبعین سے رواداری سے پیش آنا، بلاامتیاز خدمت خلق کرنا وغیرہ پر جو اصرار ہے وہ اسے بڑھا چڑھا کر اور عین اسلام بنا کر پیش کرتے ہیں۔وہ اسلام کی اس صوفیانہ تعبیر کو مسلمانوں میں عام کرنا چاہتے ہیں تاکہ مغرب اور اس کے ایجنٹ یہاں آرام سے حکومت کرتے رہیں اور اسلام کے حوالے سے کوئی انہیں چیک کرنے والا نہ ہو۔'صوفی اسلام' کے یہ علمبردار مزاروں پر جا کر چادریں چڑھاتے ہیں، مذہبی گانے (قوالیاں) سنتے ہیں اور حال مست ہو کر رقص کرتے ہیں اور دھمال ڈالتے ہیں۔

موجودہ تصوف کے نچلے طبقے میں وہ لوگ بھی ہیں جو بھنگ پیتے ہیں اور اس کے سرور میں دین ودنیا کا غم بھلا کر سکون حاصل کرتے ہیں یا لنگوٹ پہن، سر پر راکھ جما، بھوک پیاس سے بے نیاز ملنگ اور مجذوب بنے پھرتے ہیں۔لباس سے عاری، گندے، منشیات کے عادی، نماز روزے کے تارک یہ مجذوب اور ملنگ ہمارے جاہل، دین کی حقیقت سے ناآشنا اور توہم پرست عوام کے لیے ولی اللہ کا درجہ رکھتے ہیں وہ اپنی منتیں مرادیں پانے کے لیے ان سے گالیاں سنتے اور ان کے ڈنڈے کھاتے ہیں اور اسے اپنی کامیابی اور خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔

مروجہ تصوف کی ایک شکل وہ بھی ہے جس میں صوفی اسلام کے علمبردار اور دینی اثر و رسوخ کے حامل لوگوں نے سیاسی کاروبار شروع کر رکھا ہے اور وہ اپنی مذہبی قوت کو سیاست میں کیش کراتے ہیں۔ان لوگوں کا حقیقی دین اور روح تصوف سے دور کا بھی واسطہ نہیں لیکن جاہل مریدین کو کون سمجھا سکتا ہے؟ مثال کے طور پر سندھ کے پیر پگاڑا، ہالہ کے مخدوم، ملتان کے گیلانی، جھنگ کے شاہ جیونہ، ان سیاست دان سجادہ نشینوں کا اسلام اور تزکیہ نفس سے کیا تعلق ہے؟ لیکن ان کے مریدان کو سجدے کرتے اور ان کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔نتیجہ یہ ہے کہ ان کے ووٹ پکے اور ان کی سیاسی حیثیت مستحکم ہے اور وزارتیں ان کے پاؤں کی لونڈی ہیں، چاہے وہ جس پارٹی میں بھی ہوں۔ظاہر ہے یہ لوگ کیوں چاہیں گے کہ حقیقی اسلام پھلے پھولے اور ان کے کاروبار پہ مندا آئے۔

Marfat.com

تصوف کے ان غلط اور بنی بر مبالغہ رجحانات کا ایک نقصان یہ بھی ہوا ہے کہ لوگ اس افراط کے ردعمل میں تفریط کا شکار ہو گئے ہیں اور تزکیۂ نفس ہی سے غافل ہو گئے ہیں حالانکہ تزکیۂ نفس قرآنی اصطلاح ہے، یہ روح دین اور حاصل دین ہے اور اس کے بغیر پرستش واطاعت رب اور احکام دین پر عمل ممکن ہی نہیں لیکن لوگ تصوف کی غیر اسلامی روسوم و رواج سے چڑ کر اسے 'متوازی دین' سمجھنے لگتے ہیں اور تزکیۂ نفس سے غفلت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے یہ صورت حال فوری اصلاح کی متقاضی ہے۔ لیکن اس طرح کی صورت حال کو نہ تو ریاستی قوت سے بدلا جا سکتا ہے (اول تو ایسی مصلح سیاسی قوت کا ہونا خواب وخیال کی بات ہے) اور نہ ڈنڈے کے زور سے۔ یہ کام تعلیمی اور معاشرتی اصلاح ہی سے ہو سکتا ہے۔ تعلیم تربیت کا ہمارا موجود نظام نہ صرف بیکار ہے بلکہ بگاڑ کا مظہر اور سبب ہے اور جب تک اسے نہ بدلا جائے گا اور صحیح الفکر لوگ پیدا نہ ہونا شروع ہوں گے، کسی تبدیلی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

اس کے ساتھ ہی شدید ضرورت اس بات کی بھی ہے کہ آج تزکیۂ نفس کے ادارے کا ایک جدید ماڈل کھڑا کیا جائے۔ پہلے ہم اس کے لیے یہ الفاظ استعمال کیا کرتے تھے کہ تصوف کی تجدید کی جائے کہ تصوف بہر حال ایک قدیم اور مستحکم ادارہ ہے جو صدیوں سے مسلم روایت کا ایک حصہ ہے اور ماضی میں اس کی کارکردگی نہایت شاندار رہی ہے لیکن محسوس ہوتا ہے کہ تزکیۂ نفس اور تعمیر سیرت کے لیے اب ہمیں تصوف کی بجائے ایک نیا رول ماڈل کھڑا کرنا ہوگا جس کے لیے 'تصوف' کی بجائے 'تزکیۂ نفس' کی قرآنی اصطلاح استعمال کی جائے اور 'خانقاہ' کی بجائے 'تربیت گاہ' کا لفظ استعمال کیا جائے۔ اسی طرح دوران تربیت قرآن وسنت کی بنیاد پر اور جدید ذہن کی مشکلات اور تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے تزکیہ وتربیت کے نئے اوضاع اور نئے قواعد و ضوابط وضع کیے جائیں اور ان پر عمل درآمد کیا جائے۔ ظاہر ہے یہ کام ابتداء میں مشکل اور نامانوس ہوگا لیکن ایک دفعہ اگر اس کا کامیاب تجربہ کر لیا جائے اور پھر اسے پھیلانے اور عام کرنے کی جدوجہد کی جائے تو اس طرح تزکیہ وتربیت کا نیا ماڈل آہستہ آہستہ معاشرے میں جڑ پکڑ لے گا۔

Marfat.com

الحمدللہ! کہ دنیا کبھی اچھے بندوں سے خالی نہیں ہوتی۔ چنانچہ ہمارے علم میں بھی ایک دو ایسے آدمی ہیں جو تزکیۂ نفس کا مذکورہ طرز کا نیا ماڈل کھڑا کر سکتے ہیں اور وہ محدود پیمانے پر کام کر بھی رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اسے ایک باقاعدہ ادارے اور فکر کی شکل دی جائے اور اسے عام کرنے کی سعی کی جائے۔

Marfat.com

فصل ششم

اسلام کی قدامت پسند تعبیر

ہم اس سے پہلے عرض کر چکے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ساتھ ہی سلسلہ نبوت کو ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اسلام اور اس کی شریعت کو ہمیشہ کے لیے قبل عمل رکھنے کے لیے جو انتظام اس نے کیا، اس کا ایک انتہائی اہم جزو یہ تھا کہ مسلمانوں کو اجتہاد کی اجازت دی تا کہ وہ نو پیش آمدہ مسائل میں حکمِ شرعی دریافت کر سکیں، نیز قرآنی آیات (خصوصاً وہ جو معاملات سے متعلق ہیں) اس اسلوب میں نازل فرمائیں کہ ان کی تشریح و تطبیق میں لچک اور تفصیل کی گنجائش رکھی۔ نیز قرآن حکیم میں تدبر و تفکر کی دعوت دی تا کہ اس کی روشنی میں جدید مسائل حل کیے جا سکیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اسلام میں جدیدیت کی قبولیت کا راستہ کھلا رکھا (یہاں جدیدیت سے مراد مغرب کا ماڈرنزم نہیں بلکہ زمان و مکان کے تغیر، تمدنی ترقی، رسوم و رواج کی تبدیلی...... وغیرہ کی وجہ سے جدید حالات اور نو پیش آمدہ مسائل ہیں)۔

اس جدیدیت کی صحیح نوعیت کو سمجھنے کے لیے یہ ذہن میں رہے کہ امت کی عظیم اکثریت شروع دن سے (خلفائے راشدین سمیت) اس چیز کی قائل رہی ہے کہ شریعت کے احکام معقولۃ المعنی یا دوسرے لفظوں میں حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہیں لہٰذا نصوص کو ان حِکَم اور مصالح کی روشنی

Marfat.com

میں سمجھنا چاہیے اور ان مصالح کی حفاظت کے لیے ہر معاشرے اور ہر دور کے لیے اجتہاد کے ذریعے نئے، جزئی و تفصیلی احکام و دریافت کرنے چاہئیں۔ یوں نصوص کا متن اصولاً نہیں بدلے گا لیکن ان کی تطبیق کی صورتیں ناگزیر تغیر کا انکار نہیں کریں گی۔ اس کی مثال قرآنی حکم شوریٰ کی ہے کہ نبی ﷺ کی تیار کردہ بہترین سوسائٹی میں اور آپ ﷺ کے تیارہ کردہ بہترین افراد امت (یعنی جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے اس اصول پر یوں عمل کیا کہ چاروں خلفائے راشدین کے انتخابات کے وقت شوریٰ کے اصول کی پاسداری کی گئی لیکن طریق انتخاب سب کا ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب یوں ہوا کہ قریش وانصار کی اشرافیہ میں مناقشے کے نتیجے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا فیصلہ ہوا اور پھر عام لوگوں نے آپ کی بیعت کر لی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نامزد کر دیا، اشرافیہ کو اس کا قائل کیا اور پھر عوام نے بیعت کے ذریعے اس پر عام رضامندی کا اظہار کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاتلانہ حملے میں شدید زخمی ہونے کے بعد اقتدار کی منتقلی اور نئے خلیفہ کے تقرر کے لیے چھ نمایاں اصحاب رسول پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کر دی، جس کے فیصلے کے بعد عوام نے بذریعہ بیعت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اظہار اطاعت کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ کے عوام وخواص نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر کے انہیں خلیفہ بنایا۔ یوں چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے انتخاب کا طریق کار الگ الگ تھا لیکن شوریٰ کی روح بہر حال ملحوظ رکھی گئی۔ اسی طرح آج بھی شوریٰ کے اصول کی تطبیق کے لیے جدید حالات کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی نئی صورت اختیار کی جا سکتی ہے اور وہ عین اسلامی ہوگی گو اس کی شکل خلفائے راشدین یا بعد کے زمانے کے سیاسی نظام سے مختلف ہو۔

یوں دیکھا جائے تو شریعت اسلامی میں قدیم و جدید کا کوئی جھگڑا نہیں ہے کیونکہ یہاں جدید بھی قدیم کی طرح عین اسلامی ہوسکتا ہے اور قدیم اصول بھی باقی رہیں گے گو ان پر عمل کی قدیم شکل باقی نہ رہے گی۔ لیکن انسانی طبیعت کا کیا کیا جائے کہ وہ ماضی کی پرستش پہ مائل رہتی ہے اور قدیم کو تقدیس کا چولا پہنانا چاہتی ہے۔ قرآن حکیم نے بار بار اس چیز کا ذکر کیا ہے کہ کفار

Marfat.com

اسلام اور نبی کریم ﷺ کی مخالفت محض اس دلیل کی بنیاد پر کرتے تھے کہ آپ ﷺ کا پیش کردہ دین ان کے آباء واجداد کے دین سے مختلف تھا اور قرآن بار بار اس دلیل کو رد کرتا ہے اور کہتا ہے کہ نئے دین کی قبولیت و عدم قبولیت کا فیصلہ میرٹ پر کرو اور اسے محض اس لیے رد نہ کرو کہ وہ تمھارے آباء واجداد کی قدیم روایت سے مختلف یا اس کے خلاف ہے۔ ❶ اقبال نے عوام کے اسی قدامت پسندانہ رجحان کے بارے میں کہا ہے کہ:

آئینِ نو سے ڈرنا طرزِ کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

یہ سمجھ لینے کے بعد کہ اسلام میں یہ قدامت پسندی تو موجود ہے کہ اس کے بنیادی اصول (جو قرآن وسنت کی نصوص پر مبنی ہیں) نہیں بدلتے لیکن اجتہاد اور نصوص کی تعبیر نو کی گنجائش کی وجہ سے اس میں جدیدیت کے قبول کی بہت گنجائش موجود ہے اور یہ کہ اس اجتہادی دائرہ کار میں قدیم کی تقدیس و پرستش کی کوئی گنجائش نہیں۔ قرآن وسنت کی نصوص کو تو تقدس حاصل ہے لیکن فقہاء کی قدیم آراء کو کوئی تقدس حاصل نہیں ہے اور یہ فقہی آراء نئے زمان ومکان، نئے حالات اور نئے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں گی اور انہیں بدلنا نہیں بلکہ نہ بدلنا غیر اسلامی ہوگا کیونکہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں شریعت کے دوام وکمال وشمول پر حرف آئے گا اور اس کے ہمیشہ کے لیے قابل عمل ہونے اور رہنے میں شک اور نقص پیدا ہوگا۔

بعض علماء کا قرون متاخرہ میں یہ کہنا کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہوگیا ہے یا آج بعض علماء کا فقہا کی قدیم فقہی آراء کو مقدس سمجھنا، دین کو اپنے فقہی مسلک میں محصور گردانا، جدید معاملات میں اجتہاد نہ کرنا اور نئے حالات میں نئے شرعی احکام دریافت اور وضع نہ کرنا، اسلامی شریعت کی منشاء کے مطابق نہیں ہے۔ اسی رائے کو ہم نے قدامت پرستی کہا ہے اور اس نقطۂ نظر سے اسلام کی تشریح کرنا یا اسلام کو پیش کرنا ہمارے نزدیک غیر صحیح اور غیر متوازن طرز عمل ہے۔

---

❶ یونس: ۱۰:۷۸

Marfat.com

اس نقطۂ نظر کے حامل کسی حد تک ہمارے ہاں کے حنفی بریلوی مسلک کے لوگ ہیں جو نصوص قرآن وسنت کی قدامت پسندانہ تعبیر کے شائق ہیں اور انھوں نے ایسی سماجی ودینی رسوم کو بھی تقدیس کا درجہ دے دیا ہے جن کا نصوص قرآن وسنت سے استنباط ضعیف ہے اور دوسروں کے نزدیک ان کا شمار بدعات وتوہمات میں ہوتا ہے۔

طالبان افغانستان بھی اس کی ایک مثال ہیں۔ مغرب کی دجالی تہذیب کو رد کرنے اور دین کے لیے سادگی، ایثار اور مخلصانہ جدوجہد کے لحاظ سے طالبان کا کردار بلاشبہ شاندار تھا۔ اور پچھلے دس سال میں مغرب کی ملحدانہ تہذیب کے امام امریکہ (اور یورپ) کی متحدہ قوت کا مقابلہ کر کے انھوں نے جہاد کی تاریخ میں زریں باب کا جو اضافہ کیا ہے ہم اس کے قائل اور مداح ہیں لیکن جس پس منظر میں ہم بات کر رہے ہیں اس حوالے سے ان کے تصور اسلام اور ان کی دینی ترجیحات کا حال یہ تھا کہ لوگوں سے زبردستی داڑھیاں رکھواتے تھے، عورتوں کو افغانی برقعے کے بغیر گھر سے باہر آنے کی اجازت نہ تھی۔ لڑکیوں کے سکول بند کر دیے گئے...... وغیرہ وغیرہ۔

دین میں قدامت پرستی اور تجمد کی ایک شکل سلفی اسلام بھی ہے۔ سلفی اسلام سے ہماری مراد وہ مکتبۂ فکر ہے جو ظاہر النص پر عمل کرنے کا قائل ہے اور جو ان حِکَم (حکمت کی جمع) وعِلل (علت کی جمع) اور مصالح کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا جو ان نصوص واحکام میں موجود ہیں۔ تدوین مذاہب سے پہلے 'اہل الرائے' کے مقابلے میں یہ لوگ 'اہل الحدیث' کہلاتے تھے اور تدوین مذاہب کے بعد انہیں ظاہر النص سے تمسک کی وجہ سے ظاہری کہا جانے لگا۔ ان کے اہم نمائندے امام داؤد بن خلف الظاہری اور ابن حزم الاندلسی ہیں جو قیاس واستنباط کی مخالفت میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ یہ لوگ چونکہ دیگر اہل سنت کی طرح کسی ایک فقیہ، امام یا اس کے مکتب فکر کی تقلید کے قائل نہیں لہٰذا انہیں غیر مقلد بھی کہا جاتا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں یہ لوگ آج کل 'اہل حدیث' کہلواتے ہیں۔

Marfat.com

جمہور اہل سنت اور شیعہ قیاس واجتہاد واجماع کے قائل ہیں کیونکہ وہ نصوص قرآن وسنت اوراحکام شرعیہ کو بالعموم حِکم، عِلل اور مصالح پر مبنی سمجھتے ہیں اور قیاس واستنباط کے ذریعے حوادث و نوازل (جدید پیش آمدہ امور) میں حکم شرعی کی دریافت اور وضع کے قائل ہیں اور نصوص کی توضیحی تشریح (Liberal Interpretaion) پر عامل ہیں۔ اس کے مقابلے میں اہل ظاہر یہ رائے رکھتے ہیں کہ ہم نصوص شرعیہ کے اتباع کے مکلّف ہیں لہٰذا ہمیں نصوص کے ظاہر تک محدود رہنا چاہیے اور ان میں پنہاں عِلل و حِکم کے پیچھے نہیں پڑنا چاہیے یوں وہ نصوص کی لفظی تعبیر (Literal Interpretation) کے قائل ہیں۔

نظری لحاظ سے لفظی تعبیر اور توضیحی تشریح کے یہ دونوں نقطۂ ہائے نظر قابل قبول ہیں اور دونوں چونکہ قرآن وسنت کی اتباع کے ارادے اور دعوے پر مبنی ہیں لہٰذا ان پر حق و باطل کا اطلاق نہیں ہوتا بلکہ یہ محض راجح اور مرجوح کا مسئلہ رہ جاتا ہے اور جب یہ حق و باطل کا مسئلہ نہیں تو اسے اس لحاظ سے بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ عملی زندگی میں ان دونوں میں سے کون سا نقطہ نظر زیادہ قابل عمل ہے؟ اس کا جواب اس امر سے ظاہر ہے کہ اس وقت بھی امت کا تقریباً 90 فیصد حصہ پہلے نقطہ نظر کا قائل اور اس پر عامل ہے جب کہ دوسرے نقطہ نظر کے قائل پانچ دس فیصد سے زیادہ نہیں اور یہ معمولی اقلیت بھی، اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو اپنے مکتب فکر کے علمبرداروں (مثلاً امام ابن حزم، امام ابن تیمیہ، امام بخاری، امام مسلم اور متاخرین میں سے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور امام شوکانی وغیرہ) کی تقلید کرتی نظر آتی ہے۔

اس مسلک کے غالی حامیوں کی کمزوری یہ ہے کہ وہ حق کو اپنے مسلک میں محصور سمجھتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ تصور کرتے ہیں۔ ان کی اکثریت اکھڑ، متشدد اور متعصب ہے اور جو ان کے شعائر (مثلاً خوب لمبی داڑھی رکھنا، آمین جہر سے کہنا، نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنا، رفع یدین کرنا، ازار ٹخنے سے اونچی رکھنا وغیرہ) پر عمل نہ کرے اس کے دین اور عقیدے کو لغو اور بے معنی سمجھتے

Marfat.com

ہیں، انہیں حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور فقہ، فقہاء اور تقلید کی مذمت کرتے ہیں۔ ماضی قریب تک یہ لوگ اپنے مسلک کو صحیح اور دوسرے اہل سنت کے مسالک کو غلط ثابت کرنے کے لیے مناظرے کرتے اور اختلافی لٹریچر شائع کرنے میں گہری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔

ان خامیوں کے باوجود اس مسلک کے صالح پروکاروں میں بہت سے خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ عموماً ان کا عقیدہ توحید مضبوط ہوتا ہے اور وہ سنت کے علمبردار، حدیث کے خدمت گار اور اسلاف کے پیروکار ہوتے ہیں نیز عموماً وہ مخلص اور سادہ مزاج ہوتے ہیں۔

مذکورہ بالا تجمد، ماضی پرستی اور قدامت پسندی کے مقابلے میں ہماری رائے میں عصر حاضر میں اسلام کی صحیح اور متوازن تعبیر یہ ہے کہ قدیم کی طرف لوٹا جائے (بایں معنی کہ قرآن وسنت کی نا قابل تغیر نصوص کی پیروی کی جائے) اور اجتہاد کے ساتھ آگے بڑھا جائے بایں معنی کہ نئے پیش آمدہ حالات میں اجتہاد کرنے سے گریز نہ کیا جائے اور قدیم فقہی آراء کو مقدس اور نا قابل تغیر ماننے کی بجائے ان سے استفادہ کیا جائے۔ ہمارے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ ماضی کی فقہی آراء کو ضرور ہی رد کیا جائے یا ان سے نفرت کی جائے۔ نہیں! بلکہ یہ اپنے دور کے فقہی مسائل کے حل کے لیے بہترین فقہی آراء تھیں۔ اس پہلو سے ان آراء کا احترام کیا جانا چاہیے۔ یہ آراء ماضی کے مسائل کے حل کے لیے کی جانے والی بہترین اور صالح ترین کاوششیں تو کہلا سکتی ہیں مگر زمانہ حال کے مسائل کے حل کے لیے ان آراء کی لفظ بلفظ پیروی اور نفاذ ان عظیم الشان فقہی آراء کی روح کا گلا گھونٹنے کے مترادف ہوگا۔

ان فقہی آراء کا اول و آخر یہی سبق ہے کہ ہر دور کے مسلم فقہاء و اہل علم حضرات کو مسلمانوں کی بہترین رہنمائی کے لیے قرآن وسنت کی روشنی میں اسی طرح فکری و علمی کوششیں کرنی چاہئیں جس طرح ماضی کے محترم فقہاء کرام نے کیں۔ غرض یہ کہ قدیم فقہاء کی جو آراء حسب حال ہیں انھیں بدلنے کی ضرورت نہیں۔ ماضی کے علمی ورثے سے کٹنا تو حماقت ہوگی۔ ہاں! نو پیش آمدہ

Marfat.com

مسائل میں نئے اجتہاد کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک یہی افراط وتفریط اور تجمد و تجدد سے بچتے ہوئے اعتدال کا راستہ ہے جس سے ہم اپنی جڑوں سے جڑے بھی رہ سکتے ہیں اور نئے زمانے کے نئے تقاضوں کو بھی پورا کر سکتے ہیں۔

Marfat.com

فصل ہفتم

جدید اسلام

اسلام جدت کو پسند کرتا ہے اور جدید انکشافات، تمدنی ترقی اور تسخیر کائنات کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ وہ جدید اور نئے پیش آمدہ امور کو بھی برا نہیں سمجھتا بلکہ جدید مسائل کا حل تلاش اور پیش کرنا اسلام میں انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر اسلام کے شمول و کمال اور ہمیشہ کے لیے قابل عمل ہونے کا دعویٰ بے معنی ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اسلامی نقطہ نظر سے اجتہاد کرنے والا مستحق اجر ہے اور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اجتہاد کرے اور صحیح فیصلے پر پہنچ جائے وہ دوہرے اجر کا مستحق ہے اور جو کوشش کرے لیکن صحیح فیصلے پر نہ پہنچے وہ بھی اکہرے اجر کا مستحق ہے کہ اس نے کوشش تو کی ❶۔

جدید مسائل پر غور کرنے اور اس کا حل پیش کرنے کی کوشش کو محمود اور قابل ثواب قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے آخری رسول تھے، اب کوئی نیا نبی نہیں آئے گا اور نہ کوئی نئی شریعت آئے گی لہٰذا قرآن وسنت کی نصوص کی روشنی میں، جو بالعموم قواعد کلیہ اور پالیسی امور پر مشتمل ہیں، جدید اور نو پیش آمدہ امور کے بارے میں عقل و استدلال کے ذریعے فیصلے آسانی سے کیے جا سکتے ہیں خصوصاً اس لیے بھی کہ ان قواعد کلیہ کی رو سے ہر وہ امر عین شرعی ہے جو یُسر اور جلبِ منفعت پر مبنی ہو اور اس میں مسلمانوں کی بہتری اور مصلحت ہو۔

بعض لوگ غلط فہمی سے ہر نئی بات اور ہر نئے کام کو بدعت اور گمراہی سمجھتے ہیں حالانکہ نبی

❶ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام، باب اجرا الحاکم اذا اجتهد فأصاب أو اخطأ

Marfat.com

کریم ﷺ کے فرمان کی رو سے صرف وہ نیا کام بدعت و گمراہی ہے جس کی اصل دین میں نہ ہو[1]۔ اور یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ جو بات خلاف قرآن وسنت ہو وہ بلا ادنیٰ تردد قابل رد ہے اور اسی طرح ہر وہ نئی بات جس کی اصل قرآن وسنت میں نہ ہو بلاشبہ وہ بھی قابل رد ہے۔ تاہم وہ تمام نئے امور جائز ہیں جو قرآن وسنت کے مطابق ہوں یا جن کی اصل قرآن وسنت میں موجود ہو۔

اس بحث سے واضح ہے کہ ہر وہ جدید اور نیا کام جائز ہے:

☆ جو نصوص قرآن وسنت کے مطابق ہو۔

☆ یا کسی نص کے خلاف نہ ہو۔

☆ جو نصوص سے قیاساً یا دلالتاً مستنبط ہوتا ہو۔

☆ جو ان مقاصد کو پورا کرتا ہو جن کی تائید نصوص کرتی ہیں مثلاً عدل، یُسر (آسانی) وغیرہ۔

☆ جو اِن مصالح پر مبنی ہو جن کی تائید شرعی نصوص کرتی ہیں جیسے حفظ جان، حفظ دین، حفظ مال وغیرہ۔

☆ جو مقاصد شریعت کے مطابق ہو اور مصالح مرسلہ پر مبنی ہو (یعنی نصوص نفیاً یا اثباتاً اس کے بارے میں خاموش ہوں)۔ اور ایسا عموماً ان امور دنیاویہ محضہ میں ہوتا ہے جن کا تعلق انسانی عقل و تجربہ سے ہو اور وحی بر بنائے حکمت و رحمت ان سے تعرض نہیں کرتی مثلاً کھیتی باڑی کیسے کی جائے؟ کیا انسان خود کسی لے کر زمین نرم کرے یا بیل جوت کر ہل چلائے یا مشین سے چلنے والا ٹریکٹر استعمال کرے کیونکہ اس بارے میں شریعت نے نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم نہیں دیا اور خدانخواستہ یہ شارع سے بھول نہیں ہوئی یا یہ ان امور کی عدم اہمیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ یہ اس کی پالیسی ہے کہ جو امور بدیہی ہیں۔ سادہ، عام فہم، عقل عام (common sense) کے مطابق ہیں اور جن میں انسان کے غلطی میں پڑ کر کوئی بڑا دینی و اخلاقی نقصان کر لینے کا امکان کم ہے، وہ انھیں انسانوں کی عقل و فراست پر چھوڑ دیتا ہے اور انہیں خواہ مخواہ نصوص کی قید میں نہیں لاتا۔ لوگ اپنی عقل و تجربے سے جس

[1] صحیح بخاری، کتاب الصلح، باب اذا اصطلحوا علی صلح جور فالصلح مردود

Marfat.com

عرف، رسم و رواج اور طریق کار کو اپنا لیں وہ انہیں قبول کرتا ہے چنانچہ قرآن حکیم بعض چیزیں عرف پر چھوڑتا ہے اور رسول کریم ﷺ کا طریق مبارک بھی یہی تھا کہ جو عرف خلاف شریعت ہوتا اسے رد کر دیتے اور جو ایسا نہ ہوتا، اسے بحال رکھتے اور قبول فرماتے۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے کھجوروں کے پیوند والے معاملے میں فرمایا کہ تم لوگ اس طرح کے دنیوی امور کو خود بہتر سمجھتے ہو۔

مطلب یہ کہ آپ ﷺ مکہ سے تعلق رکھتے تھے جو زرعی علاقہ نہ تھا لہٰذا یہ بات نہ آپ کے علم و تجربہ سے تعلق رکھتی تھی اور نہ یہ کوئی شرعی مسئلہ تھا کہ وحی سے آپ ﷺ کی رہنمائی کی جاتی اور آپ اس پر نفیاً یا اثباتاً کچھ ارشاد فرماتے لہٰذا آپ ﷺ نے یہ فرمایا کہ تمھارے علم و تجربے میں جو بہتر ہو وہ کرو۔ میں نے تو برسبیل تذکرہ ایسے ہی بات کر دی تھی کوئی حکم شرعی نہیں دیا تھا۔

ہمارے فقہاء و اصولیین نے اس عظیم قاعدے کا اکثر ذکر کیا ہے خصوصاً ابن عابدین نے عرف پر اپنے رسالے میں اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں حکمت دین کے مباحث میں اس کا ذکر کیا ہے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو جدید امور کی قبولیت کا ایک وسیع دائرہ شریعت اسلامی میں موجود ہے اور ایسا ہونا لازمی تھا ورنہ شریعت اسلامی میں نقص لازم ٹھہرتا اور اسے قیامت تک ہر زمان و مکان کے لیے قابل عمل قرار دینا مشکل ہوتا چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم خصوصاً خلفائے راشدین نے بڑی وسعت سے جدید امور میں نئے فیصلے کیے مثلاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن حکیم ایک صحیفے میں جمع کیا، ریاست کو زکوٰۃ نہ دینے والوں کے خلاف جنگ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امت کو تراویح پر جمع کیا، زمین کا نیا بندوبست کیا، دیوان/دفاتر کا نظام وضع کیا، شراب نوشی کی سزا ۸۰ کوڑے مقرر کی، قحط میں حد سرقہ کو معطل کیا وغیرہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ میں دوسری اذان کا حکم دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی الوہیت دعویٰ کرنے والوں کو زندہ جلایا اور دعویٰ اسلام

Marfat.com

کے باوجود خوارج سے جنگ کی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس اسوہ کی روشنی میں فقہائے عظام خصوصاً ائمہ اربعہ نے نئے امور میں فیصلے کرنے کے لیے جرأت مندانہ رویہ اپنایا اور اس کے لیے باقاعدہ اصول وضع کیے (جنہیں اصول فقہ کہا جاتا ہے) یہاں تک کہ ان امور کے لیے بھی فیصلے کیے جو ابھی واقع بھی نہ ہوئے تھے (فقہ تقدیری) لہٰذا نہ جدیدیت بری ہے اور نہ جدیدیت کے بارے میں سنجیدہ اور معتدل مسلم اہل علم نے کبھی منفی رویہ اپنایا ہے۔ (یہ ذہن میں رہے کہ یہاں جدیدیت سے مراد مغربی تہذیب والی جدیدیت نہیں)۔

تو پھر برا کیا ہے اور جدید اسلام سے ہماری کیا مراد ہے؟ برا ہے تجدد اور بدعت۔ بدعت کا کچھ ذکر اوپر گزر چکا۔ تجدد سے مراد ہے ہر وہ جدید معاملہ جو قرآن وسنت اور اس کے اصول و اقدار کے خلاف ہو لیکن اسے بتکلف کھینچ تان کر اور تعبیر واجتہاد کے معروف اور مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے مطابق اسلام ثابت کرنے کی کوشش کی جائے۔

تجدد کے اسباب کیا ہیں؟ اگرچہ ہوائے نفس، حکمرانوں کی خوشنودی، اپنے مسلک، گروہ، قبیلے اور ملک کی ہر قیمت پر نصرت وغیرہ بھی اس کا موجب بن سکتے ہیں لیکن اس کا بڑا سبب ہے غیر اسلامی اور اجنبی فکر وتہذیب سے مرعوبیت اور اس کی پیروی۔ عالم اسلام پر اس کے دو بڑے حملے ہوئے ہیں: ایک ابتدائی صدیوں میں جب یونانی علوم وافکار کا عربی میں ترجمہ ہوا اور یونانی فکر وفلسفہ بعض مسلم علمی حلقوں میں نفوذ کر گیا اور کئی جدید مسالک خصوصاً معتزلہ کا گروہ وجود میں آیا۔ اور دوسرا پچھلی دو تین صدیوں میں جب روبہ زوال اور نحیف ونزار عالم اسلام پر طاقتور اور تازہ دم مغربی تہذیب کے حامل ممالک نے حملہ کر کے نہ صرف اس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا بلکہ اس کے بعض عناصر کے دل ودماغ بھی فتح کر لیے۔

یونانی فکر وتہذیب کا حملہ مسلمانوں نے مقابلتاً آسانی سے پسپا کر دیا کیونکہ اس وقت اسلامی تہذیب طاقتور اور جوان تھی اور اسے سیاسی وتہذیبی غلبہ بھی حاصل تھا۔ مغربی تہذیب کا

Marfat.com

حملہ اس لیے بآسانی پسپا نہیں کیا جاسکا کہ مسلمان اس وقت کمزور اور روبہ زوال ہیں اور مغربی فکر و تہذیب کے حامل ممالک نے نہ صرف عالم اسلام کو فوجی شکست دے کر اس کے علاقوں پر قبضہ کر لیا بلکہ اس مادی غلبے کے ساتھ اس نے فکری و تہذیبی غلبے کے لیے اور مسلمانوں کو ذہنی و فکری طور پر غلام بنائے رکھنے کے لیے بھی زبردست منصوبہ بندی کی اور اس کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔ مسلمانوں کے نظام تعلیم و تربیت کو ختم کر کے انھوں نے اپنا نظام تعلیم و تربیت مسلم ملکوں میں رائج کیا اور ذہن سازی کے دیگر ذرائع مثلاً میڈیا، کلچر اور مادی ترغیبات وغیرہ کو بھی ساتھ شامل کیا تا کہ مسلمان علمی و فکری طور پر بالکل بانجھ ہو جائیں۔ ان ساری کوششوں کے باوجود الحمدللہ! مسلمانوں نے مغرب کا فکری و مادی غلبہ قبول نہیں کیا اور اس کے خلاف مزاحمت کرتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خود اہل مغرب کو آپس میں لڑا کر (پہلی اور دوسری جنگ عظیم میں) کمزور کیا اور یوں مسلمانوں کے لیے راستے کھلنا شروع ہوئے اور اس وقت (۲۰۱۴ء میں) چھوٹے بڑے ۵۷ آزاد مسلم ملک دنیا میں موجود ہیں اور جہاں وہ بڑی اقلیتوں کی صورت میں ہیں وہاں وہ آزادی کے لیے کوشاں ہیں جیسے ہندوستان میں کشمیر، فلپائن میں منڈاناؤ، روس میں چیچنیا اور چین میں ترکستان وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آزادی کے باوجود مسلم ممالک میں مغربی فکر و تہذیب کے اثرات ابھی تک موجود ہیں بلکہ بعض جگہوں پر خاصے طاقتور ہیں لیکن اگر آپ پچھلے دو تین سو سال کی تاریخ کو ذہن میں رکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ مغرب کے یہ فکری و تہذیبی اثرات اب روبہ زوال ہیں، وہ پسپا ہو رہے ہیں اور مسلم قومیں ان کی کامیاب مزاحمت کر رہی ہیں۔ اگرچہ استعمار کے پیٹ میں مروڑ اٹھتے رہتے ہیں اور وہ پلٹ کر بار دگر بھی حملہ آور ہوا ہے اور اس نے افغانستان، عراق اور لیبیا کو روند ڈالا ہے۔ اور پاکستان، شام، یمن اور مالی پر اس کے حملے جاری ہیں۔ تاہم اس شعلۂ مستعجل کا اب دم واپسیں ہے اور خود یورپ و امریکہ کے اہل فکر کہہ رہے ہیں کہ ہماری تہذیب اب روبہ زوال اور خاتمے کے قریب ہے۔

Marfat.com

تو ہم کہہ یہ رہے تھے کہ مغربی فکر وتہذیب کے غلبے اور امت مسلمہ کے زوال سے بلاشبہ بعض دینی حلقے فکری مغلوبیت کا شکار بھی ہوئے، جعلی نبوت بھی پروان چڑھی اور ایک طبقہ ایسا بھی پیدا ہوا جس نے اسلامی نصوص کی تعبیر مغربی حقائق کی روشنی میں کرنے کی کوشش کی اور نو پیش آمدہ مسائل میں اجتہاد کے وقت مغربی معاییر وتصورات اور ادارے ہی ان کے ذہن پر چھائے رہے۔ یہ متجد دین مغربی تہذیب سے مغلوب ومرعوب ذہنیت کے ساتھ اور اسے معیار بنا کر اسلام کی جو جدید تعبیر کرتے ہیں اور جسے وہ ''حقیقی اسلام'' بنا کر پیش کرتے ہیں اور جمہور مسلمانوں کے دین کو حیلے بہانے رد کرتے ہیں، اسے ہی ہم نے 'جدید اسلام'' کا نام دیا ہے چنانچہ مغربی جدیدیت سے مغلوب ایک ایسے ہی دینی سکالر نے ''دو اسلام'' اور ''دو قرآن'' کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔ مطلب یہ کہ ایک روایتی اور قدیم اسلام ہے جو ان کے نزدیک قابل رد ہے اور دوسرا وہ ''حقیقی'' اور ''جدید'' اسلام ہے جو انھوں نے پیش کیا ہے۔

برصغیر پاک وہند میں اس جدید اسلام کے علمبردار ہیں جناب سرسید احمد خاں، امیر علی، عبداللہ چکڑالوی، احمد علی امرتسری، علامہ مشرقی، غلام احمد پرویز، غلام جیلانی برق اور آج کل پاکستان میں اس کے علمبردار ہیں جناب جاوید احمد غامدی، ڈاکٹر جاوید اقبال اور کسی حد تک ڈاکٹر رشید احمد جالندھری، ڈاکٹر خالد مسعود اور ڈاکٹر منظور احمد وغیرہ۔

علامتیں

ظاہر ہے دین کا کوئی عالم یا سکالر اپنی زبان سے تو یہ تسلیم نہیں کرتا کہ میں مغربی تہذیب سے متاثر ومرعوب ہو کر اسلام کی تعبیر وتشریح یا اجتہاد کر رہا ہوں (ہاں! اللہ تعالیٰ بعض اوقات ایسے کسی آدمی کو صحتِ فکر کی توفیق دے دیتا ہے تو وہ اپنی سابقہ فکری کوتاہیوں کو تسلیم کر لیتا ہے اور ان سے رجوع کر لیتا ہے تو یہ الگ بات ہے جیسے ڈاکٹر غلام جیلانی برق مرحوم نے اپنی آخری زندگی میں سابقہ افکار سے رجوع کرنے کا اعلان کر دیا تھا) بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ عین اسلام ہے، اسلام کا صحیح منشاء ہے اور عصری تقاضوں کا اسلام یہی جواب دیتا ہے تو ان

Marfat.com

حالات میں ان علماء وسکالرز کو (علماء کا لفظ ہم اہل علم کے معنوں میں استعمال کر رہے ہیں ورنہ روایتی علماء نے مغربی جدیدیت کو بہت کم قبول کیا ہے اور اس کے برعکس ان کا رویہ تجمد کا ہے (جیسا کہ اسی تحریر میں دوسری جگہ وضاحت کی گئی ہے) اور ان متجددین کو جو اسلام کی تعبیر و تشریح مغربی تہذیب سے مغلوب و مرعوب ہو کر کرتے ہیں کیسے پہچانا جائے اور صحیح الفکر علماء و سکالرز سے انہیں کیسے الگ کیا جائے؟ اس کے لیے ہم نے ذیل میں کچھ ایسی علامتوں کا انتخاب کیا ہے جو ان متجددین میں عموماً پائی جاتی ہیں اور ان کی موجودگی یا عدم موجودگی سے ان کی پہچان آسانی سے ہو جاتی ہے:

۱۔ یہ گروہ حیلے بہانے نبی کریم ﷺ کی سنت کو رد کرتا ہے، کبھی اسے عجمی سازش کہہ کر اور ساری احادیث کو موضوع قرار دے کر، کبھی سنت و حدیث میں تفریق کر کے، کبھی تعامل امت کو اس کی اساس قرار دے کر، کبھی اسے تحقیر کے ساتھ روایات، اخبار احاد اور ظنی قرار دے کر، کبھی اسے روایت ابراہیمی سے جوڑ کر، کبھی مستشرقین کی طرح یہ اعتراض کرتے ہوئے کہ احادیث نبی کریم ﷺ کے کئی صدیوں بعد مدون کی گئیں...... وغیرہ وغیرہ۔ مدعا ان کا یہ ہوتا ہے کہ کسی طرح احادیث کی صحت کو مشکوک ٹھہرایا جائے اور انہیں نا قابل اعتنا ثابت کیا جائے کیونکہ یہ سنت نبوی ہی ہے جو دین کے عملی ڈھانچے کی تفصیلی صورت گری کرتی ہے اور اگر درمیان میں سے حدیث و سنت کا کانٹا نکال دیا جائے تو شریعت کے عملی ڈھانچے کے حوالے سے قرآن حکیم کی من مانی تشریح کی جا سکتی ہے اور اس طرح قرآن کا نام لے کر مرضی کی شریعت گھڑی جا سکتی ہے کیونکہ قرآن مجمل ہے اور اجتماعی معاملات کے اکثر دائروں میں قواعد کلیہ پر مشتمل ہے۔

۲۔ یہ گروہ قرآن کی عظمت اور آفاقیت کو اپنے باطل مقاصد کے لیے استعمال کرتا ہے لہٰذا حدیث و سنت سے بچنے کے لیے یہ گروہ قرآن حکیم سے اپنے غیر معمولی تعلق کو ظاہر کرتا ہے اور دین کے عظیم ماخذ کے طور پر اس طرح پیش کرتا ہے کہ سنت اس کا جز نہیں ہوتی۔

Marfat.com

یہ قرآن کے ساتھ اپنے ولاء (تعلق و دوستی) کو خوب نمایاں کرتا ہے یہاں تک کہ اپنے آپ کو ''اہل قرآن'' کہلانا پسند کرتا ہے (جمہور مسلمانوں کے تاریخی نام ''اہل السنۃ والجماعۃ'' کے برعکس)۔ان کا ہر کہہ و مہ قرآن کو اپنا اوڑھنا بچھونا قرار دیتا ہے اور قرآن کا مفسر اور مترجم ہوتا ہے، خواہ وہ اس کا اہل ہو یا نہ ہو۔

۳۔ جدید اسلام کے علم بردار بالعموم علماء کی تحقیر کرتے ہیں اور انہیں ملا، مولوی اور واعظ قرار دیتے ہیں۔ چونکہ سلام اور اس کی روایتی اور مقبول عام تعبیر کو رد کرنا اور برا بھلا کہنا مشکل ہے لہٰذا وہ اسے ''ملا کا اسلام'' اور ''مولوی کا اسلام'' کہہ کر رد کرتے ہیں۔

۴۔ یہ اپنی تعبیر دین کو سائنٹیفک، فطری، جدید، مدلل اور روشن خیال باور کراتے ہیں اور روایتی اسلام کے حامیوں کو ان کی بعض خامیوں کے حوالے سے تنگ نظر، کٹھ ملا، انتہا پسند، مقلد اور روایت پرست قرار دیتے ہیں۔

۵۔ یہ مغربی فکر و تہذیب کے گن گاتے ہیں اور اہل مغرب میں جو انسانی سطح کی خوبیاں ہیں (مثلاً محنت کی عادت، تحقیق کی سرشت، قانون کی اطاعت، اپنے ہاں کے غریبوں سے ہمدردی، علم سے محبت وغیرہ) یہ انہیں خوب بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں اور انہیں عین اسلامی اور اسلامی اثرات کا ثمر قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں میں چونکہ یہ خوبیاں آج کل بالعموم نہیں ہیں لہٰذا ان کی خوب مذمت کرتے ہیں۔

۶۔ یہ لوگ عام مسلمانوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ صرف اس صورت میں دنیا میں ترقی کر سکتے ہیں جب وہ مغربی تہذیب کی پیروی کرتے ہوئے، اہل مغرب کے ان طور طریقوں کو اپنائیں جنہیں اپنا کر اہل مغرب نے ترقی کی ہے[1]۔اس کے لیے وہ انگریزی پڑھنے اور جدید مغربی علوم حاصل کرنے کی بھرپور وکالت کرتے ہیں۔

۷۔ یہ اہل مغرب کی پالیسیوں کی حمایت کرتے ہیں (سرسید نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں

[1] اس مغالطے کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے ملاحظہ ہو ہماری تالیف ''اسلام اور تہذیب مغرب کی کشمکش''

Marfat.com

[جسے وہ غدار اور فساد کہتے تھے] بعض انگریزوں کی جان بچا کر انعام وصول کیا۔ غلام احمد قادیانی نے انگریزوں کے مسلم ترک علاقے فتح کرنے پر قادیان میں گھی کے چراغ جلائے۔ ہمارے عہد کے جاوید غامدی صاحب افغانستان اور عراق میں مسلمانوں کے موقف کی مذمت کرتے اور امریکی موقف کو درست قرار دیتے ہیں بلکہ وہ امریکہ کے مقامی ایجنٹوں اور حمایتیوں کی بھی حمایت کرتے ہیں مثلاً وہ ہندوؤں کے خلاف کشمیر کے جہاد کو جہاد نہیں سمجھتے، بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ پر مسلمانوں کے مقابلے میں یہودیوں اور اسرائیلیوں کے حق کو فائق قرار دیتے ہیں اور امریکہ کے حامی پاکستان حکمرانوں کی ہر موقعے پر حمایت کرتے ہیں، وغیرہ)۔

۸۔ یہ مغرب کی ترقی و عروج کو اس کی فکری صداقت کا معیار بنا کر پیش کرتے ہیں، مغربی فکر و فلسفہ کی وکالت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو مغربی تہذیب کی پیروی پر یہ کہہ کر اکساتے ہیں کہ یہ اہل کتاب کی تہذیب ہے، یہ اسلامی تہذیب ہی کا تسلسل ہے، یہ خلاف اسلام تو نہیں۔

۹۔ یہ ہر اس چیز کو اسلامی سمجھتے ہیں جو مغرب سے آئے اور ہر وہ چیز ان کی نظر میں غیر اسلامی ہے جو مغربی فکر و تہذیب کے خلاف ہو بلکہ ان متجددین کی خوئے غلامی اس قدر مستحکم ہے کہ وہ ان چیزوں کو قبول کرنے میں بھی عار نہیں سمجھتے جس پر خود مغربی اہل علم و فکر پریشان ہیں اور جو صریحاً غیر اسلامی ہیں مثلاً مغرب کی فحاشی و عریانی پر مبنی معاشرت [چنانچہ پرویز صاحب باقاعدگی سے روزانہ موسیقی اور گانے سنتے تھے۔ ان کا درس قرآن مخلوط ہوتا تھا اور وہ داڑھی منڈواتے تھے۔ غامدی صاحب کا موقف ہے کہ دوپٹے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، زنا بالجبر قبیح جرم ہے لیکن زنا بالرضا معمولی بات ہے، ان کے ہاں موسیقی، گانے اور تصویر کشی کو جائز قرار دیا جاتا ہے اور ہم جنس پرستی کو فطرت کے قریب گردانا جاتا ہے......وغیرہ]۔

Marfat.com

۱۰۔ اپنے ملکوں کے سیاسی و اجتماعی معاملات میں یہ ان حکمرانوں اور سیاسی قوتوں کا ساتھ دیتے ہیں جو مغرب پرست اور سیکولر ہوں، جو مغربی ایجنڈے کو لے کر چلیں، ان اسلامی قوتوں کے مقابلے میں جو ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی داعی ہوں۔ یہاں تک کہ یہ مغرب سے درآشدہ مقدس ''جمہوریت'' کے مقابلے میں آمروں کی حمایت سے بھی نہیں چوکتے بشرطیکہ وہ مغرب پرست اور روشن خیال ہوں چنانچہ حدود بل میں ترمیم کے حوالے سے جاوید غامدی صاحب اور دوسرے متجددین نے حدود قوانین کی مخالفت میں ہر جائز حد سے تجاوز کیا، فوجی آمر کا بھرپور ساتھ دیا اور دینی قوتوں کی ڈٹ کر مخالفت کی، صرف اس لیے کہ فوجی جنرل امریکی ومغربی حمایت سے برسر اقتدار آیا اور انہی کی حمایت سے اس کا اقتدار قائم رہا اور وہ امریکی حمایت سے ملک میں اسلامی قوانین ختم کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ (اس وقت امریکہ نے علی الاعلان تسلیم کیا تھا کہ وہ پاکستان سے ان ''امتیازی'' اور ''انسانی حقوق کے مخالف'' قوانین کے خاتمے کے لیے حکومت پاکستان سے رابطے میں ہے اور حدود مخالف بل (تحفظ حقوق نسواں بل) پاس کرنے پر اس نے مشرف حکومت کو مبارکباد بھی دی تھی)۔

۱۱۔ ان متجددین کو ملکی و بین الاقوامی سیکولر قوتوں کی اخلاقی و مالی تائید حاصل ہوتی ہے اور انہی کی حمایت کے بل بوتے پر یہ لیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں آگے آتے اور عامۃ الناس میں پاپولر ہونے اور ان پر اثر انداز ہونے کے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔

❀ ❀ ❀

Marfat.com

فصل ہشتم

روشن خیال اسلام

روشن خیال اور معتدل اسلام (Enlightened Moderation) کی اصطلاح ہمارے مغرب پرست اور سیکولر حکمران و دانشور اکثر استعمال کرتے ہیں۔ یہ درحقیقت تجدد یا جدید اسلام ہی کی ایک صورت ہے اور مغربی و امریکی استعمار کی خواہش، ضرورت اور مطالبے کا جواب ہے۔ حال ہی میں امریکہ و مغرب کو اسی تلخ حقیقت کا سامنا کرنا پڑا ہے (بلکہ اس کی شدید قیمت چکانا پڑ رہی ہے) کہ جب اس نے یہودیوں کی پشت پناہی سے اسلام کے بڑھتے ہوئے قدموں کو روکنے کی کوشش کی (اور اسے یہ کوشش اس لیے کرنا پڑی کہ کمیونزم کی شکست کے بعد اسلام واحد نظریاتی طاقت ہے جو مغرب کی ''مثالی''، ''غالب'' اور ''طاقتور'' تہذیب سے موافقت نہیں کرتی، اس سے شکست تسلیم نہیں کرتی، اس سے دب کر اس کی بالادستی قبول کرنے اور اس کا دُم چھلا بن کر رہنے کے لیے تیار نہیں بلکہ اپنی انفرادیت، الگ تشخص (Identity) اور الگ وجود پر اصرار کرتی ہے اور خود کو غالب و کارفرما بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس صورت حال کا توڑ کرنے اور اپنی بالادستی کو مستحکم کرنے کے لیے مغرب نے اسلامی معاشرے کے اندر نفوذ کی پُر امن تعلیمی، تہذیبی، علمی، فکری، ابلاغی، سیاسی اور معاشی کوششوں کو ناکافی سمجھتے ہوئے اور ناکام ہوتے دیکھ کر یہ فیصلہ کیا کہ ابھرتی ہوئی اسلامی اور مسلم قوتوں کا سر طاقت سے کچل دیا جائے۔ چنانچہ اس نے

Marfat.com

مسلم شرق اوسط کے قلب میں واقع سب سے بڑی قوت عراق کا گلا گھونٹا جو اس کے اشاروں پر ناچنے سے انکار کر رہی تھی اور افغانستان جیسے غریب، مادی وسائل سے محروم اور دور افتادہ ملک کو اس لیے تاراج کیا کہ وہ اسلامیت کے زندہ سمبل کے طور پر ابھر رہا تھا۔ لیکن وقتی غلبے اور حکومت کے خاتمے کے باوجود اسے بایں معنی ناکامی ہوئی کہ اس کے خلاف عوامی مزاحمت نے راہ پالی اور امریکہ اپنی اور اپنے حلیفوں کی ساری قوت استعمال کرنے کے باوجود اس مزاحمت پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہو سکا اور وہاں برسر پیکار ان کے فوجیوں کی لاشوں کا تحفہ انہیں اکثر ملتا رہتا ہے اور وہ افغانستان سے دم دبا کر بھاگ رہا ہے۔

اس صورتِ حال کے ردعمل میں مغرب نے علمی، تعلیمی اور تہذیبی محاذ پر اپنی مخالف اسلام جدوجہد کو تیز تر کر دیا ہے تاکہ مسلمانوں کے دماغوں سے ''جہاد'' کا کیڑا نکالا جا سکے اور انہیں شیروں کی طرح جینے کی بجائے گوسفندانہ طرزِ حیات کا خوگر بنایا جائے تاکہ ان کی طرف سے پُر امن اور مسلح مزاحمت ختم ہو سکے۔ اس کے لیے جو طریق کار اختیار کیا جا رہا ہے اس کا ایک مرکزی نکتہ یہ ہے کہ روشن خیال اور اعتدال پسند اسلام کا تصور ابھارا جائے۔ اس غرض سے جو کوششیں کی جا رہی ہیں، ان کے کچھ پہلو یہ ہیں:

ا۔ اس بات پر زور دیا جائے کہ اسلام تو دراصل امن، سلامتی، اعتدال پسندی اور اخوت و محبت کا دین ہے اور یہ انتہا پسندی، تشدد اور دہشتگردی کا مخالف ہے۔ مسلم ممالک کے دینی حلقوں میں ایسے سکالروں کو ابھارا جا رہا ہے (روایتی علماء اپنی سادہ لوحی کے باوجود عموماً ان کے قابو نہیں آتے) جو اس طرح کے تصورِ دین کو پاپولر کریں۔ انہیں ٹی وی اور سوشل میڈیا میں پروموٹ کیا جاتا ہے، ان کی کتابوں اور جرائد کو پھیلایا جاتا ہے، انھیں تعلیمی اور فکری اداروں میں آگے لایا جاتا ہے چنانچہ دیکھیے کہ جاوید غامدی، عمار ناصر اور ڈاکٹر جاوید اقبال ٹائپ لوگ روشن خیال اسلام کو پاپولر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مثلاً یہ موقف کہ موسیقی جائز ہے، دوپٹے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، حدود غیر موزوں ہیں،

Marfat.com

حکومت کے بغیر دفاعی جہاد جائز نہیں، علماء کے فتوے کی کوئی شرعی حیثیت نہیں، عورت کی امامت جائز ہے، بیت المقدس پر یہودیوں کا حق فائق ہے، پارلیمنٹ کو اجتہاد کا حق حاصل ہے، احادیث (اخبار احاد) دین کا ماخذ نہیں، مدارس جہالت اور رجعت پسندی کا گڑھ ہیں......وغیرہ وغیرہ۔

۲۔ تعلیمی نصاب کو بدلا جا رہا ہے۔ نصابی کتب میں سے جہاد سے متعلق آیات نکالی جا رہی ہیں۔ ضیاء الحق کے زمانے میں نصاب کی اسلامائزیشن کی جو تھوڑی بہت کوشش ہوئی تھی، اسے ختم کر کے الٹا گیئر لگا دیا گیا ہے اور مغربیت، ہندوازم اور وطن پرستی کو ایک خاص انداز سے نصابات میں سمویا جا رہا ہے۔ میوزک اور ناچ گانے کو بطور ایک ڈسپلن سکولوں اور یونیورسٹیوں میں متعارف کرایا جا رہا ہے۔ ملک کی واحد اسلامی یونیورسٹی کے تشخص کو ختم کیا جا رہا ہے اور وہاں ایسے لوگ اوپر لائے جا رہے ہیں جو مذکورہ روشن خیالی کا پرچار کریں۔

اس مقصد سے پرائیویٹ ٹی وی چینلز کھولنے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے اور ان کے پروگراموں پر کوئی حکومتی چیک نہیں ہے۔ 'کیبل' کو ہر گلی محلے میں پہنچا دیا گیا ہے تاکہ مسلمان عوام بھارت اور مغربی ممالک کے واہیات ٹی وی چینل آسانی سے دیکھ سکیں۔ اس غرض سے نئے ادارے بھی قائم کیے جا رہے ہیں جیسے اقبال انسٹی ٹیوٹ برائے ریسرچ، ایجوکیشن اور ڈائیلاگ اور پنجابی زبان و کلچر کا انسٹی ٹیوٹ وغیرہ۔

خود مغرب میں قرآن حکیم کے مقابلے میں ایک جعلی قرآن طبع کر کے پھیلایا جا رہا ہے جسے ظاہر ہے بعد میں مسلم ممالک میں بھی بتدریج پھیلایا جائے گا۔ انٹرنیٹ پر قرآن کی 'غلطیوں' اس کے متن کے ''تضادات'' اور اس کی تعلیمات پر اعتراضات کو ہوا دی جا رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے کارٹون شائع کیے جاتے ہیں، آپ ﷺ کے بارے میں سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین جیسے فضول لوگوں کی تحریروں کو پھیلا جا رہا ہے، عیسائی پادری آپ ﷺ کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے

Marfat.com

رہتے ہیں اور قرآن کو جلاتے رہتے ہیں۔ مسلمان ممالک خصوصاً پاکستان میں توہین رسالت کے قانون کو ختم کرنے یا کم از کم غیر موثر بنانے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ ان اقدامات سے مطلوب یہ ہے کہ دین اسلام کے مآخذ کو متنازعہ بنایا جائے اور انہیں بے توقیر کر دیا جائے۔

۳۔ روشن خیال معتدل اسلام کو مسلم ممالک میں رائج کرنے کے لیے جن دیگر اقدامات کا سہارا لیا جا رہا ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ انٹرنیٹ، ٹی وی اور ریڈیو کے عریانی، فحاشی اور بے حیائی پر مبنی پروگراموں کے ذریعے مسلمانوں کے اخلاق کو بگاڑ دیا جائے، خصوصاً عورتوں میں بے راہ روی پیدا کی جائے اور بچوں و نوجوانوں کے ذہنوں کو غلط راہوں پر ڈال دیا جائے۔ اس غرض سے انٹرنیٹ، ٹی وی اور کیبل کے علاوہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں مخلوط تعلیم کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ مختلف کھیلوں میں عورتوں کی قومی اور بین الاقوامی ٹیمیں تشکیل دی جارہی ہیں اور انہیں بین الاقوامی دوروں پر بھیجا جا رہا ہے۔ تصوف کو ابھارا جاتا ہے۔ امن، رواداری، بچوں اور عورتوں کے حقوق بلکہ (Women empowerment) اور مکالمہ بین المذاہب کے نام پر این جی اوز کام کر رہی ہیں اور ان میں علماء کی شرکت کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔

روشن خیال اور معتدل اسلام کو پھیلانے کے لیے ثقافتی سطح پر بھی کئی اقدامات کیے جارہے ہیں مثلاً میراتھن دوڑ کا انتظام جس میں مسلم فیمیلز اور لڑکیاں بھی حصہ لیتی ہیں۔ بسنت اور پتنگ بازی کو باقاعدہ تہوار کی صورت دی جارہی ہے جس میں مخلوط مجالس میں مے نوشی، ناچ، بھنگڑا، ہاؤ ہو، فائرنگ اور ہلا گلا کو اس کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے لیے خصوصی لباس سلوائے جاتے ہیں، حکمران اس طرح کے پروگراموں کو کامیاب بنانے میں ذاتی دلچسپی لیتے ہیں اور غیر ملکی سفیروں کو بھی بلاتے ہیں تاکہ پاکستان کا 'سوفٹ امیج' ابھر سکے۔ اس سلسلے میں عدالتی احکام، بجلی مہیا کرنے والے اداروں کے مالی نقصان اور عوام کے جان و مال کے ضیاع کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی۔ بڑے شہروں اور قصبوں میں نیٹ کیفے شیشہ مرکز اور جوس کارنر بیہودگی کے مرکز

Marfat.com

بنتے جا رہے ہیں۔ کیمرے والے موبائل فون سسٹم نے الگ ''دھوم'' مچا رکھی ہے۔ بیوٹی پارلروں کا کاروبار زوروں پر ہے اور عورتوں کو خوبصورت تر بنانے کے لیے کاسمیٹک سرجری بھی عام ہو رہی ہے۔

غرض اس طرح سے روایتی اسلام کی بجائے مغربی خواہشات و معیارات پر مبنی روشن خیال اور معتدل اسلام کی ترویج جاری ہے جو اس ''جدید اسلام'' ہی کی ایک شکل ہے جس کا ذکر سطور سابقہ میں ہوا۔

Marfat.com

باب دوم

عصر حاضر میں دین کا متوازن تصور

Marfat.com

سطور گزشتہ میں ہم نے عصر حاضر میں دین کے بعض غیر متوازن تصورات کی نشان دہی کی ہے۔ایسے معاملات میں یقیناً اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے تاہم جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا تھا کہ اس تحریر سے ہمارے پیش نظر عصر حاضر میں اس تصور دین کی وضاحت کرنا ہے جسے ہم متوازن سمجھتے ہیں۔اور اگر یہ صحیح ہے کہ چیزیں اپنی اضداد سے پہچانی جاتی ہیں تو ہم نے گزشتہ سطور میں غیر متوازن تصوراتِ دین کی جن خامیوں کی نشان دہی کی ہے، ان خامیوں کے بغیر جو تصور دین ہوگا ہو متوازن ہوگا مثلاً وہ تصور دین متوازن ہوگا

۱۔ جو فقہی اور کلامی مسلک کو عین دین نہ قرار دے۔

۲۔ فقہاء کرام کی اجتہادی آراء کا احترام تو کرے مگر انہیں قرآن وسنت کی طرح ابدی اور ناقابل تغیر (Untouchable) نہ سمجھے۔

۳۔ جو ظاہر النص سے تمسک کرتے ہوئے اجتہاد واستنباط کی ضرورت کا انکار نہ کرے۔

۴۔ جو سیاست کو اسلام کا اہم جزو تو سمجھے لیکن اسے ہی پورا دین نہ سمجھتا ہو۔

۵۔ جو اسلام میں جہاد کی اہمیت کو تو مانے لیکن جہاد کو صرف قتال تک محدود نہ سمجھے۔

۶۔ جو دین کی تبلیغ ودعوت کو تو اہمیت دے لیکن اسے ایک خاص طریق کار تک محدود نہ سمجھے۔

۷۔ جو اسلامی تناظر میں تزکیۂ نفس کی ضرورت واہمیت کا قائل ہو لیکن تصوف کی خلافِ اسلام رسوم ورواج کی تائید نہ کرے۔

۸۔ جو غیر صالح مسلم حکمرانوں کے خلاف خروج کو جہاد نہ قرار دے جب کہ نفاذ اسلام کے لیے ہر پُر امن جدوجہد کے راستے کھلے ہوں اور قتال کی کامیابی کے امکانات بھی نہ ہوں اور 'مجاہدین' پر یہ الزام بھی موجود ہو کہ اسلام اور مسلمانوں کے دشمن کفاران کی پشت پناہی

Marfat.com

کرتے ہیں۔

۹۔ جو روشن خیالی کے نام پر مغربی فکر وتہذیب سے مرعوب ہو کر اسلامی تعلیمات کو اس کے مطابق نہ ڈھالے اور نہ اس کی ایسی تاویل وتشریح کرے جس سے مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کی تائید ہوتی ہو۔

تاہم ممکن ہے بعض قارئین اس اجمال کو کافی نہ سمجھیں اور یہ تقاضا کریں کہ انہیں تفصیل کے ساتھ مثبت انداز میں بتایا جائے کہ ہمارے نزدیک دین کا متوازن تصور کیا ہے اور اسے کن خصائص کا حامل ہونا چاہیے۔ ایسے احباب کی تشفی کے لیے عرض ہے کہ ہمارے نزدیک دین کا متوازن تصور وہ ہے:

☆ جس میں قرآن حکیم کو مرکزی اہمیت دی جائے اور اسے ہی افکار وعلوم واعمال کا منبع قرار دیا جائے۔

☆ جس میں سنت کو قرآن کے ساتھ دین کا بنیادی ماخذ مانا اور سمجھا جائے اور حیلے بہانے اس کا استخفاف اور انکار نہ کیا جائے اور اس پر عمل سے فرار کی راہیں نہ ڈھونڈی جائیں۔

☆ جس میں توحید ورسالت کے صحیح عقیدے پر اصرار ہو اور شرک وبدعات سے نفور ہو۔

☆ جس کا نعرہ اور ماٹو یہ ہو کہ قرآن وسنت کی طرف لوٹو اور اجتہاد کے ساتھ آگے بڑھو۔

☆ جس میں آخرت کی فکر غالب ہو اور اللہ کی خوشنودی کے حصول کو مرکزی اور بنیادی اہمیت حاصل ہو۔

☆ جس میں یہ تصور مستحکم ہو کہ آخرت کو دنیا پر حتمی ترجیح حاصل ہے۔

☆ جس میں دین ودنیا دونوں میں بھلائی، ترقی اور کامیابی پیش نظر ہو۔

☆ جس میں امت سے وابستگی کا تصور ہو، باہم اخوت ومحبت ہو اور نسل، زبان، رنگ، علاقے اور مسلک کے تعصّبات سے دوری ہو۔

☆ جس میں سچے علماء وصلحاء کی توقیر ہو اور عزت کا معیار دنیا کی دولت وحشمت نہ ہو۔

Marfat.com

☆ جس میں دنیا کی یہ اہمیت تسلیم کی گئی ہو کہ وہ مزرعۃ الآخرہ ہے یعنی آخرت میں کامیابی کا انحصار دنیا میں صحیح طرز عمل اختیار کرنے پر ہے لہٰذا دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق گزارنا ضروری ہے۔

☆ جس میں نبی کریم ﷺ کی محبت اور اتباع پر اصرار ہو اور آپ ﷺ کی شفاعت کی شدید خواہش ہو۔

☆ جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کا جذبہ ہو۔

☆ جس میں اسلاف کا اکرام ہو اور ان کے علم وعمل سے استفادے کی خواہش بایں طور ہو کہ نہ اسلاف پرستی ہو اور نہ ان کی عدم اہمیت کا رویہ ہو۔

☆ جس میں دنیا کی محبت اور حبِ جاہ ومال سے اِعراض ہو۔

☆ جس میں تزکیۂ نفس کو بنیادی اہمیت دی گئی ہو تاکہ ایسی شخصیت وجود میں آسکے جس کے لیے احکام شریعت پر عمل ممکن اور آسان ہو جائے۔

☆ جس میں تزکیۂ نفس کی بنیاد قرآن وسنت اور حکمت پر ہو۔

☆ جس میں معصیت سے نفور ہو اور دینی احکام کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ہر قسم کی قربانی دینے اور ہر قسم کی جدوجہد کرنے کا قوی جذبہ ہو۔

☆ جس میں معصیت سے بچنے اور اخلاص ودرجۂ احسان کے حصول کی کوشش ہو۔

☆ جس میں ذوق بندگی وعبادت اور شوق اطاعت ہو۔

☆ جس میں مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے مبنی بر جہالت ہونے اور اس کے اسلام ومسلم دشمن ہونے کی وجہ سے اسے رد کر دیا جائے۔

☆ جس میں اسلامی تعلیمات کو مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے مطابق اور مغربی فکر کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش نہ کی گئی ہو۔ (جیسے مغرب کے سیکولر سرمایہ دارانہ نظام اور لادین جمہوریت ونیشنلزم کو اسلامی سمجھنا یا ان میں چند اسلامی اصول داخل

Marfat.com

کر کے انہیں مطابق اسلام قرار دے دینا)۔

☆ جس میں مغربی فکر و تہذیب کے زیر اثر دنیا ہی سب کچھ نہ ہو (بلکہ آخرت کو دنیا پر ترجیح حاصل ہو) اور جس میں کمرشلزم (ہر قیمت پر نفع اندوزی)، راتوں رات امیر بننے کی خواہش، معیار زندگی بلند کرنے کی مسابقت اور دولت کو معیار عزت سمجھنے جیسی اقدار و تصورات نہ ہوں۔

☆ جس میں کمیونزم و سوشلزم کو قبول نہ کیا جائے...... کہ وہ بھی مغرب کی الحادی فکر و تہذیب ہی کا ایک رخ اور ردعمل ہے۔

☆ جس میں جدید تعلیم دینی تناظر میں اس طرح دی جائے کہ اس میں دینی ضروریات، تقاضوں اور تربیت کو مدنظر رکھا گیا ہو۔

☆ جس میں دینی تعلیم جدید حالات اور معاصر ضرورتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے دی جائے۔

☆ جس میں تعلیم و تربیت میں دور غلامی کے اثرات دور کرنا اور مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے معاصر اثرات کا رد کرنا شامل ہو۔

☆ جس میں تعلیمی ثنویت نہ ہو (یعنی دین و دنیا کی تعلیم الگ الگ نہ ہو) بلکہ تعلیمی وحدت ہو یعنی ایک ہی تعلیمی نظام میں دین و دنیا دونوں کی تعلیم ہو۔

☆ جس میں تعلیم میں قدامت پرستی کو تقدس حاصل نہ ہو بلکہ معاصر ضروریات کے مطابق نظام تعلیم میں کمی بیشی کو تسلیم کیا جائے۔

☆ جس میں علوم اور نظام تعلیم و تربیت (نصابات، طرق تدریس، تربیت اساتذہ، ہم نصابی سرگرمیوں اور تربیت طلبہ) کی اسلامی تناظر میں تشکیل نو کی خواہش و کوشش شامل ہو۔

☆ جس میں فرد کی اصلاح کو اجتماعی اصلاح پر فوقیت و اولیت حاصل ہو۔

☆ جس میں اجتماعی اور سیاسی اصلاح کو بھی نظر انداز نہ کیا گیا ہو۔

☆ جس میں انفرادی زندگی میں اسلامی تعلیمات پر عمل اور اجتماعی زندگی میں نفاذ دین دونوں

Marfat.com

کو متوازی اہمیت دی گئی ہو۔

☆ جس میں دعوت و اصلاح کا عمل الاقرب فالاقرب کے اصول پر نیچے سے اوپر کو چلے یعنی پہلے فرد کی اصلاح، پھر اہل خانہ و خاندان، پھر گلی محلہ، شہر، معاشرہ اور حکومت کی اصلاح، نہ کہ اوپر سے نیچے یعنی پہلے حکومت کی اصلاح پھر حکومتی اقتدار کی قوت سے نچلے درجوں کی اصلاح۔

☆ جس میں فرد، معاشرے اور حکومت کی اصلاح قرآن کے اصول تعلیم، کتاب و حکمت اور تزکیہ" کے اصول پر مبنی ہو یعنی دعوت و تعلیم اور تزکیہ و تربیت اس کا بنیادی ذریعہ ہو۔

☆ جس میں تبلیغ و دعوت کی بنیاد قرآن و سنت ہو نہ کہ غیر مستند قصص و حکایات۔

☆ جس میں دعوت و اصلاح کی بنیاد اسلام کی متفقہ تعبیرات اور اتحاد امت ہو نہ کہ فرقہ واریت، مسلک پرستی اور کسی خاص نظریے یا دین کی کسی خاص تعبیر کی طرف دعوت دینا۔ مطلب یہ کہ دعوت دین کی دی جائے نہ کہ کسی خاص فقہی و کلامی مسلک یا سیاسی نقطۂ نظر اور کسی خاص جماعت یا شخصیت کی طرف بلایا جائے۔

☆ جس میں امر بالمعروف کے ساتھ نہی عن المنکر بھی مناسب حکمت کے ساتھ شامل ہو۔

☆ جس کی اصلاحی دعوت میں غیر اسلامی افکار اور رسوم و رواج کو دخل نہ ہو۔

☆ جس میں کار اصلاح کو دنیاوی مفادات کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا گیا ہو۔

☆ جس میں اجتماعی و سیاسی نظام کو اسلامی اصولوں کے مطابق ڈھالنے اور ان کی تشکیل نو کرنے کی خواہش و کوشش موجود ہو۔

☆ جس میں اجتماعی تبدیلی کی بنیاد اصلاحِ فرد اور معاشرہ ہو نہ کہ حکومتی اقتدار اور انقلاب امامت۔

☆ جس میں یہ احساس موجود ہو کہ محض قوانین پاس کر دینے سے یا پولیس، عدالتوں اور انتظامیہ کے ذریعے فرد اور معاشرے کی اصلاح نہیں ہو سکتی جب تک فرد کے اندر سے

Marfat.com

تبدیلی نہ پھوٹے جس کا ذریعہ تعلیم وتربیت وتزکیہ ہے۔

☆ جس میں دعوت واصلاح کے لیے جدید ترین ذرائع ابلاغ سے استفادے میں ہرج نہ سمجھا جائے۔

☆ جس میں دین کو محض دنیا چلانے کا نظام (سیاسی نظام، معاشی نظام، عدالتی نظام، معاشرتی نظام......وغیرہ) بنا کر نہ پیش کیا گیا ہو۔

☆ جس میں دین کو محض ایک ''تحریک'' بنا کر نہ پیش کیا گیا ہو۔

☆ جس میں یہ راہبانہ تصور نہ ہو کہ دین محض آخرت کے لیے ہے اور نیک لوگوں کا دنیا اور دنیاوی جھمیلوں اور سیاست وحکومت وغیرہ سے کوئی علاقہ نہ ہونا چاہیے۔

☆ جس میں ایک مسلمان کا آخری ہدف اور حتمی نصب العین دنیا کی زندگی اللہ کے احکام کے مطابق، اس کی عبادت واطاعت میں گزارنا ہوتا کہ اسے آخرت میں اللہ کی خوشنودی حاصل ہو سکے۔

☆ جس میں تجدد اور تجمد سے بچتے ہوئے توسط کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ تجدد سے بچنا یہ ہے کہ جدیدیت اور اجتہاد کے نام پر غیر اسلامی افکار کو قبول نہ کیا جائے اور اسلامی نصوص کی تشریح غیر اسلامی افکار کی روشنی میں اور ان سے مطابقت اختیار کرنے کے لیے نہ کی جائے......اور تجمد سے بچنا یہ ہے کہ ہر جدید کو غیر اسلامی کہہ کر رد نہ کر دیا جائے اور اجتہاد وتعبیر شریعت سے گریز کرتے ہوئے مباحات کے قابل قبول دائرے میں آنے والی چیزوں کو بھی غیر اسلامی کہہ کر نہ ٹھکرا دیا جائے۔

☆ جس میں دین کی تعبیر اور اس کی ترجیحات کا تعین اسلام کی مثبت اور متوازن فکر کی بنیاد پر کیا گیا ہو نہ کہ محض غیر اسلامی افکار ورجحانات کے ردعمل کے طور پر۔

☆ جس میں غیر مسلم اور اسلام دشمن عالمی طاقتور ممالک سے درآمد شدہ نظریات، افکار، اشیاء، لباس، علوم، اعمال اور رسوم ورواج نہ ہوں بلکہ مقامی مسلم معروفات، افکار،

Marfat.com

نظریات،علوم،اعمال،اشیاء،لباس اور رسوم و رواج پر عمل کی کوشش ہو۔

☆ جس میں اپنے مسلک کو دین بنا کر پیش نہ کیا گیا ہو بلکہ اسے دین کی ممکنہ تعبیرات میں سے ایک تعبیر سمجھا جائے اور جو مسلمان بھائی دوسرے مسلک و منہج اور دوسرے نقطہ نظر سے دین کی کوئی خدمت کر رہے ہوں، ان کے کام کو بھی دینی کام سمجھا جائے اور اس کی اہمیت و ضرورت کو بھی تسلیم کیا جائے۔

☆ اپنے مسلک اور مکتب فکر کو دین کی واحد صحیح تعبیر نہ سمجھا جائے اور دین کو اسی میں محصور نہ سمجھا جائے۔

☆ اپنے مسلک، جماعت اور طریق کار کو راجح طریق کار اور مبنی پر اجتہاد کاوش سمجھا جائے اور اس میں غلطی کا امکان تسلیم کیا جائے۔

☆ اپنے مسلک اور طریق کار کو مقدس بنا کر پیش نہ کیا جائے جیسے وہ مبنی بر وحی ہو اور اس میں خطا کا امکان نہ ہو اور وہ (untouchable) ہو، بلکہ اسے ایک اجتہادی کاوش سمجھا جائے جس میں انسانی عقل اور رائے کا دخل ہوتا ہے، غلطی کا بھی امکان ہوتا ہے اور اس پر نظر ثانی بھی ممکن ہوتی ہے۔

☆ جس میں اپنے مسلک اور مکتب فکر کی حمایت کے لیے تعصب اور شدت نہ ہو اور دوسرے مسالک والوں کو گمراہ، بے دین اور کافر نہ کہا جائے۔

☆ جس میں معاشی انصاف، سادگی اور خود انحصاری ہو۔ سود حرام ہو، تقسیم دولت کا نظام منصفانہ ہو اور غریبوں، امیروں میں فاصلے کم ہوں۔

☆ جس میں جاگیرداری و سرمایہ داری نہ ہو۔ جس میں کوئی شخص بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہ رہے، کوئی شخص خط غربت سے نیچے زندگی نہ گزارے۔ جہاں کوئی آدمی بھوکا نہ سوئے اور کوئی شخص علاج سے محروم نہ رہے۔

☆ جہاں ہر مظلوم کو انصاف ملے اور فوراً ملے اور وہ اسے خریدنا بھی نہ پڑے۔

Marfat.com

☆ جس میں حکومت استبداد پر مبنی نہ ہو بلکہ عوام کی حقیقی مشاورت سے بنے اور ٹوٹے اور وہ عوام کی سچی خادم ہو۔

☆ جہاں حکومت غیر مسلم ورلڈ پاورز کی ایجنٹ نہ ہو اور عوام وحکومت میں فاصلے نہ ہوں۔

☆ جس میں کمزوروں (خصوصاً خواتین، مزدور، کسان وغیرہ) کو ان کے حقوق ملیں اور انہیں عزت واحترام ملے۔

☆ جس میں جذبۂ جہاد زندہ وتوانا ہو، نوجوان صحت مند اور تعمیری طور پر مصروف ہوں اور ہر نوجوان فوجی ٹریننگ حاصل کرے۔ جہاں افواج جدید ترین اسلحہ سے لیس ہوں اور ملکی دفاع پر قادر ہوں۔

☆ جس میں تسخیر کائنات کے لیے سائنس وٹیکنالوجی اور ایجاد واکتشافات کی حوصلہ افزائی ہو۔

☆ جس میں علم وتحقیق کی فراوانی ہو اور اعلیٰ تعلیم وتحقیق کے ادارے تنقیدی فکر (Critical Thinking) اور تخلیقیت (creativity) کو ابھاریں۔

☆ جس میں افراد، اداروں، گھروں، خاندانوں، قبیلوں، علماء، سیاستدانوں، بیوروکریسی، حکومت، معاشرے اور امت غرض سب سطحوں پر اتفاق واتحاد کے لیے کوشش ہو اور نااتفاقی، حسد، بغض، حرص، کشمکش اور منافقت سے بچنے کی جدوجہد ہو۔

Marfat.com

خلاصہ

دین کا متوازن تصور یہ ہے کہ ایمانیات وعقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، معیشت، سیاست اور دعوت و جہاد کے شعبہ ہائے حیات کو قرآن وسنت نے جس تناسب اور توازن سے اہمیت دی ہے، انہیں اسی تناسب اور توازن سے مضبوطی سے تھاما جائے۔ قرآن وسنت کے عطا کیے گئے تناسب وتوازن اور ترجیحات میں اپنی مرضی یا خواہش سے کمی بیشی یا ترمیم کرنا اور اسے دین کی مستقل تعبیر کا نام دینا دین میں بگاڑ کا باعث بنتا ہے جس سے پرہیز ضروری ہے۔

Marfat.com

عصرِ حاضر میں
دین کا متوازن تصور

پروفیسر طارق بٹ

297
ط 2 ع
124858

عمار پبلیکیشنز

Marfat.com